

خونی کھیل

(نمبر 45)

ایم جید

10012

فہرست

سائپ کی جاسوسی

جہاز پر قتل

جہاز کو آگ لگا دو

کالا چادو

دجلہ کی وادی

تالاب کی وادی

ایٹلیا کی قید میں

خونی کھیل

حویلی کا بھوت

غیر آ یا خانقاہ

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو یاد وجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیں تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

ساتھی ظالم اٹیلانے قتل عام شروع کر رکھا ہے۔

ماریا چونکہ کسی کو نظر نہیں آتی اس لیے عنبر اور ناگ اکیلے ہی بندرگاہ پر اترتے ہیں۔ جہاز میں ماریا اور خزانہ چھپا دیا گیا ہے۔ جہاز کی تلاشی لی جاتی ہے لیکن کچھ نہیں ملتا۔

عنبر اور ناگ بصرے کی ایک سرائے میں پہنچتے ہیں۔ ارچنک جا دو گران پر کالا اسم پھونکتا ہے۔ ناگ سانپ بن کر ارچنک کو ہلاک کرتا ہے۔

عنبر کو اٹیلانے کے سپاہی قید کر لیتے ہیں۔ آخر بڑی مصیبتوں سے عنبر اور ناگ قید سے بھاگ کر واپس جہاز پر جاتے ہیں۔ خزانے کو جہاز میں سے نکال کر صحرا میں ایک جگہ چھپا کر نشان رکھ دیتے ہیں اور ماریا کو ساتھ لے کر بغداد کا رخ کرتے ہیں۔

پیارے بچو!

اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ کس طرح مصیبتوں کے پہاڑ کاٹ کر عنبر، ناگ اور ماریا ایک زبردست مقابلے کے بعد نارگن ڈاکو کو ہلاک کر کے شہر گوا کی بندرگاہ میں پہنچتے ہیں۔ وہاں ڈاکو ہو لکر ان کے جہاز کو اغوا کر کے ایک کھاڑی میں چھپا دیتا ہے۔

یہاں بھی ایک زبردست جنگ ہوتی ہے۔ ڈاکو ہو لکر مارا جاتا ہے۔ عنبر ناگ اور ماریا اپنا جہاز لے کر بصرے پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں سے وہ بغداد پہنچتے ہیں جہاں چنگیز خان کے

وہاں شاہی خاندان کے قلعے قید خانے میں ہیں گلی
کوچوں میں غریبوں کا خون بہہ رہا ہوتا ہے۔ یہاں ان
تینوں پر کیا گزرتی ہے؟ آگے خود پڑھیں۔

سانپ کی جاسوسی

عزیز اور ناگ سرائے کی کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھے تھے۔
دوپہر ہو گئی تھی۔ انہوں نے ابھی ابھی تھوڑا بہت کھانا
کھایا تھا۔ ماریا کے کھانے کی انہیں فکر نہیں تھی کیونکہ جہاز میں
کھانے کو بہت کچھ تھا۔

اب انہیں ایک ہی بات پریشان کر رہی تھی کہ وہ جہاز پر
کیسے جائیں۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے والے ناول ”ویران

بادبانی جہاز“ کی قسط میں لکھ چکے ہیں۔

بصرے کے گورنر اور اٹلیا کے خاص گورنر ارچنگ نے منبر اور ناگ کے سمندری جہاز کے باہر پہرہ لگا دیا تھا۔ جہاز بصرہ کی بندرگاہ پر ایک طرف سمندر میں کھڑا تھا۔

اس میں خزانے کا صندوق بھی تھا اور ماریا بھی وہیں چھپی ہوئی تھی۔ ماریا چونکہ غائب حالت میں تھی۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر بھی ایک طرح سے وہ وہاں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

ارچنگ نے اپنے سپاہیوں سمیت سارے جہاز کی تلاشی لی تھی۔ ماریا کو تو وہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ خدا کا شکر یہ تھا کہ انہیں خزانہ بھی دکھائی نہ دیا۔

نہیں تو وہ خزانے پر قبضہ کر کے منبر اور ناگ کو بھی گرفتار کر

لیتے۔ اب ایک طرح سے ارچنگ کے سپاہیوں نے جہاز پر قبضہ کر رکھا تھا۔

ماریا نے سپاہیوں کے جانے کے بعد جہاز کے عرشے پر آ کر دیکھا کہ کنارے پر جہاز کے آگے سپاہی کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ وہ بھی پریشان ہو گئی۔

وہ خود تو وہاں سے نکل کر جاسکتی تھی، کیونکہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن منبر اور ناگ جہاز پر اب نہیں آ سکتے تھے۔ ارچنگ نے حکم دے دیا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی جہاز پر قدم نہ رکھے۔

ماریا اس لیے جہاز پر سے نیچے نہیں اترتی تھی کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ شہر میں منبر اور ناگ کون سی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ وہاں بیٹھ کر

ان کے آنے کا انتظار کرے۔

ادھر سرائے کی کوٹھڑی میں عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھے غور کر رہے تھے کہ اب وہ کیا کریں۔ ایک طرح سے جہاز اور خزانے نے ان کو مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ جہاز کا انہیں آرام بہت تھا۔

وہ ایک ملک سے سفر کرتے ہوئے دوسرے ملک میں بڑے آرام سے پہنچ جاتے تھے۔ خزانے کی بھی انہیں ضرورت تھی۔ وہ ہر جگہ خزانے کی اشرفیاں ہی خرچ کر رہے تھے، لیکن ان دونوں کی یعنی جہاز اور خزانے کے صندوق کی دیکھ بھال کرنا بھی اپنی جگہ پر بڑا مشکل اور بڑا ضروری کام تھا۔ یہ دونوں چیزیں وہ کسی کے حوالے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ناگ نے کہا۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس جہاز کو اب بصرے کی بندرگاہ پر چھوڑ کر بغداد کی طرف نہیں جاسکتے، کیونکہ اگر ہم یہاں سے کسی قافلے کے ساتھ بغداد کو روانہ ہو گئے تو ارچنگ کے سپاہی جہاز کی دوسری بار تلاشی لے کر خزانے پر قبضہ کر لیں گے۔ وہ جہاز بھی اپنے پاس رکھ لیں گے۔ ہمیں کچھ نہیں دیں گے۔“

عنبر نے کہا۔ ”پھر تمہاری رائے کیا رائے ہے؟“۔
ناگ بولا۔ میری رائے کیا ہو سکتی ہے عنبر بھائی! بہر حال ہم بصرے پہنچ گئے ہیں۔ یہاں مسلمانوں پر ایک مصیبت آئی ہوئی ہے۔
چنگیز خان کے شاگرد اٹیلا کے وحشی لشکر نے ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا رکھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ

کسی طرح سے مسلمانوں کے بڑے شہر بغداد پہنچا جائے۔
 عنبر نے کہا۔ ”بغداد جانے کا راستہ صرف خشکی کے
 ذریعے ہی ہے۔ میں ادھر سے پہلے بھی گزر چکا ہوں۔ دجلہ
 اور فرات کی وادی میرا وطن ہے۔ ایک بات ہو سکتی ہے۔“
 ”وہ کیا؟“ ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔ ”دریائے دجلہ بغداد شہر میں سے ہو کر گزرتا
 ہے، اگر ہم اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے بھاگ جائیں تو
 ہم خلیج فارس میں سے نکل کر دریائے دجلہ میں داخل ہو
 جائیں اور پھر ہم بغداد پہنچ سکتے ہیں۔“

ناگ نے کہا۔ ”میرا خیال یہ ترکیب اچھی ہے، کیونکہ
 یہاں رہنما اب بیکار ہے۔ اگر ہم یہاں رہ گئے تو ارچنگ
 ہمارے جہاز کے علاوہ خزانے پر بھی قبضہ کر لے گا، بلکہ ایک

طرح سے اس وقت ہمارا جہاز اور خزانہ اس کے سپاہیوں کے
 قبضے میں ہی ہے۔“
 عنبر نے کہا۔

”پھر ہمیں اسی ترکیب پر عمل کرنا ہوگا۔“ وہ باتیں کر
 رہے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔
 ”اندر آ جاؤ۔“ ناگ نے کہا۔

سرائے کا بوڑھا مالک قبوہ ک کیتلی لیے اندر آیا۔
 ”آپ قبوے سے شوق کریں گے؟“
 ”کیوں نہیں کیوں نہیں۔“

بوڑھا پیالیوں میں قبوہ انڈیلنے لگا۔ یہ مسلمان بوڑھا تھا۔
 عنبر نے اسے بھی قبوہ پینے کی دعوت دی۔ عنبر نے پوچھا۔
 ”بابا آپ مسلمان ہیں؟“

بوڑھا بولا۔

”الحمد للہ! میں مسلمان ہوں۔ میرا نام عبداللہ بن عزیز ہے۔ ہمارے خلیفہ کی خلافت پر زوال آ گیا، اور وحشیوں نے شہروں کو برباد کر دیا۔ لیکن خدا ہماری مدد کرے گا۔ ہم نا امید نہیں ہیں۔“

عزیز نے کہا۔

”بابا! ہم نے مسلمانوں کی بہت بڑی تعریف سنی تھی۔ ہم نے سنا تھا کہ مسلمان بڑی بہادر، جفاکش اور ایماندار قوم ہے۔ اسی لیے ہم ملک ہندوستان سے یہاں آئے، مگر یہاں حالات بڑے خراب ہیں۔“

ہاں بیٹا! ہم پر مشکل وقت آ گیا ہے۔ ہر قوم پر مشکل وقت آیا کرتا ہے، ہم اس مشکل سے نکل جائیں گے۔ بغداد

میں لوگوں نے خدا کے حکم کے خلاف عیش و عشرت میں زندگی گزارنی شروع کر دی تھی اور جو قوم عیش و عشرت میں پڑ جاتی ہے پھر اس پر تباہی آ جاتی ہے۔

خدا ہمیں اب بھی معاف کرے۔ تم لوگ یہاں سے کہاں جاؤ گے؟

عزیز نے کہا۔ ”بابا! ہم بغداد جانا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنا جہاز بھی ہے۔ جو سمندر میں کھڑا ہے۔ لیکن اس پر چنگیزی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہمیں مشورہ دو کہ ہم کیا کریں؟“

عبداللہ بن عزیز نے کہا۔

”میرے بچو! چنگیزی سپاہی تمہارے جہاز کو کبھی واپس نہیں کریں گے۔ کیا اس میں تمہارا مال اسباب بھی تھا کہ

جہاز خالی ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔ ”نہیں بابا! جہاں میں کچھ نہیں ہے۔ بس معمولی سامان ہے۔“

بابا نے کہا۔

”تو میرے بچو! جہاز کو بھول جاؤ۔ تمہاری جان بچ گئی۔“

یہی بہت غنیمت ہے۔ ہاں تم یہاں سے کسی قافلے کے ساتھ شامل ہو کر بغداد پہنچ سکتے ہو، مگر وہاں بھی بڑی افراتفری کا وقت ہے۔ وہاں جا کر تم کیا کرو گے؟“۔

عزبر نے کہا۔ ہم اس قسم کے انقلاب کے عادی ہیں۔ بابا! ہمیں مشکلات کچھ نہیں کہتیں، لیکن ہمارے دماغ میں ایک اور ترکیب بھی ہے۔

ہم نے سوچا ہے کہ جہاز کو کسی طرح یہاں سے نکال کر

سمندر میں واپس بھاگ جائیں اور خلیج فارس میں دریائے دجلہ میں داخل ہو کر بغداد پہنچ جائیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“۔

بوڑھا حیرانی سے عزبر اور ناگ کا منہ تکتے لگا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے بچو! تم چنگیزی فوج کے پہرے میں سے اپنے جہاز کو کیسے نکال کر لے جاؤ گے؟ یہ ناممکن بات ہے میرے بیٹو!“

ناگ نے کہا۔

”بابا! تم یہ نہ پوچھو کہ ہم جہاز کو کیسے نکال کر لے جائیں گے، تم صرف یہ بتاؤ کہ اگر ہم جہاز کو یہاں سے نکال کر لے جائیں اور دریائے دجلہ میں سے ہو کر بغداد پہنچیں تو سفر کیسا رہے گا؟“۔

بابا نے کہا۔

”یہ سفر خشکی کے سفر سے ہزار درجے بہتر ہے، لیکن اس میں جان کا خطرہ ہے۔ چنگیزی فوج کے سپاہی تمہیں جان سے مار دیں گے۔ کسی آدمی کو قتل کرنا ان کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کسی مکھی کو مار دینا۔“

عزبر اور ناگ مسکرائے۔

ناگ نے کہا۔

”ہم جہاز کو نکال کر لے جائیں گے بابا! تم فکر نہ کرو۔“

قبوہ پینے کے بعد برتن لے کر بوڑھا عبداللہ چلا گیا۔ عزبر اور ناگ اپنی نئی سکیم کے بارے میں غور کرنے لگے۔ سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت تھی کہ کسی طرح سے جہاز پر واپس جا کر ماریا کو سارے حالات اور نئی ترکیب سے باہر کیا

جائے اور خزانے کو اچھی طرح سے چھپا دیا جائے۔

یہ کام تم ہی کر سکتے ہو ناگ! تم جس طرح سے بھی ہو سکے ابھی جہاز پر جاؤ اور ماریا سے کہو کہ وہ فکر نہ کرے۔ ہم یہاں سے بہت جلد فرار ہونے والے ہیں۔

دوسرے خزانے کو کسی ایسی جگہ چھپا دو جہاں اب چنگیزی فوج کے سپاہیوں کی نظر نہ پڑ سکے۔

ناگ نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔“

عزبر بولا۔

تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ یہ چنگیزی وحشی بڑے خطرناک ہیں بہت ہوشیار ہیں۔ میں ان کی فطرت سے واقف ہوں۔

پتا بھی کھڑک جائے تو یہ چوکس ہو جاتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

”بے فکر ہو۔ میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ جاؤں گا۔ تم

اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔ بس میں بہت جلد واپس آ جاؤں

گا۔“

”اچھا جاؤ۔ خدا حافظ۔“

ناگ کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ شہر کے گلی کوچوں سے باہر

نکل کر وہ بچھلی طرف سے سمندر کے کنارے آ گیا۔ اب

اسے جہاز ڈرادر نظر آ رہا تھا۔

سپاہی جہاز کے باہر برابر پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ

جھاڑیوں کے پیچھے چلتا ہوا سپاہیوں کے قریب آ گیا۔ اب

وہ ان کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ انسان کی

شکل میں اب آگے جانا خطرناک بات تھی۔ ناگ نے

جھاڑی کے پیچھے چھپ کر اندر کو زور سے سانس کھینچا اور

ایکدم سے سانپ کی شکل میں آ گیا۔

وہ سانپ بن کر گھاس پر ریگستا ہوا جہاز کی طرف بڑھنے

لگا۔ وہ کافی قریب جا کر سمندر میں اترنا چاہتا تھا۔

وہ جہاز کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی کی اس پر نظر

پڑ گئی۔ اس نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔ سارے سپاہی

تکوا رہیں لے کر سانپ کی طرف بڑھے۔

ناگ گھبرا گیا۔ اس نے زیادہ آگے آ کر غلطی کی تھی۔ وہ

سمندر کی طرف بھاگا۔ سپاہی اس کے پیچھے بھاگے۔ اک

سپاہی نے زور سے تیر پھینکا۔

دوسرے نے تیر کمان میں جوڑ کر چھوڑ دیا جو سانپ کے

بالکل پاس زمین میں آ کر گرڑھ گیا۔ ناگ نے سمندر میں
چھلانگ لگا دی۔

سپاہیوں نے سمندر میں تیروں کی بوچھاڑ ماری، مگر ناگ
اب ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا تھا۔

سپاہی ہنستے قہقہے لگاتے واپس اپنی جگہ پر جا کر پہرہ دینے
لگے۔ انہوں نے اپنے خیال میں سانپ کو سمندر میں ڈبو دیا
تھا۔ لیکن سانپ سمندر کی لہروں پر تیرتا جہاز کے پیچھے پہنچ
گیا۔

یہاں لنگر کی زنجیر سمندر کے اندر سے نکل کر اوپر جہاز
کے جنگلے تک چلی گئی تھی۔ سانپ زنجیر پر چڑھ گیا اور ریٹکتا ہوا
جہاز کے اوپر آ گیا۔

اوپر آ کر وہ جنگلے میں سے نکل کر عرشے پر آ گیا اور

بڑے مزے سے ریٹکتا ہوا کیبن کی سیڑھیوں میں آ گیا۔
یہاں پہنچ کر اس نے زور سے پھنکار ماری اور پھر سے انسان
کی شکل بدل لی۔

ماریا اس وقت اپنے کیبن میں اکیلی بیٹھی سوچ رہی تھی۔
کہ غبر اور ناگ کہاں ہوں گے؟

دروازے پر دستک ہوئی۔ ماریا چونک اٹھی۔ اس نے
کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی
ہو گئی۔ باہر سے ناگ نے کہا۔

”ماریا! کیبن! دروازہ کھولو! میں ہوں ناگ۔“
ماریا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ناگ اندر آ گیا۔
اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا اور ماریا سے کہا۔
”تم نے کھانا کھایا تھا ماریا؟“

”ہاں بھائی! تھوڑا بہت کھایا تھا، لیکن تم لوگ کہاں تھے؟“

”جہاز کے گرد پہرہ کیوں بٹھا دیا گیا ہے؟“

ناگ نے کہا۔

”یہ بھی ایک طرح سے ہم پر مصیبت آگئی ہے۔ ارچن

کے سپاہیوں نے یاہر پہرہ لگا کر جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ بتاؤ

کہ خزانہ تو ٹھیک ٹھاک ہے نا؟“

”ہاں بھائی خزانہ بالکل ٹھیک ٹھیک ہے مگر ہم کب تک

یہاں پڑے رہیں گے؟ ہمیں آگے کب چلنا ہے؟“

ناگ نے کہا۔

ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جہاز کو کسی طرح سے راتوں

رات یہاں سے لے کر فرار ہو جائیں۔

دریائے دجلہ میں سے گزر کر بغداد پہنچنے کی کوشش کریں

کیونکہ اگر ہم یہاں رہے تو ہمارا جہاز ہمیں کبھی واپس نہیں

ملے گا۔ اور خزانہ بھی ہم سے چھین لیا جائے گا۔

ماریا نے کہا۔

”لیکن ہم یہاں سے کیسے بھاگ سکتے ہیں بھائی! یہاں

تو چاروں طرف پہرہ لگا رہتا ہے۔“

ناگ بولا۔

اس پر ہم غور کر رہے ہیں۔ خدا نے چاہا تو آجکل

میں یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، کیونکہ خشکی کے راستے

سفر کرنا بڑا خطرناک ہے راستے میں ڈاکے پڑتے ہیں اور

مسافروں کو لوٹ لیا جاتا ہے۔

اگر ہم اکیلے ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن ہمارے

ساتھ خزانے کا صندوق بھی ہے۔

آؤ ہم جہاز کو چنگیزی فوج کے حوالے بھی نہیں کر سکتے۔

آؤ پہلے خزانے کو کسی جگہ پر چھپا دیں۔

دوسرے کیمپن میں جا کر انہوں نے خزانے کے صندوق

کو نکالا۔ اسے اٹھا کر ناگ باورچی خانے میں لے گیا۔ اور

پیاز کی بور یوں کے نیچے جا کر چھپا دیا۔

یہ ایسی جگہ تھی جہاں کسی کی نگاہ نہیں جاسکتی تھی۔ ویسے بھی

پیاز کی بور یوں کو کوئی اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو

کر ناگ نے کہا۔

ماریا بہن! اب میں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے، ہم دو ایک

دن تمہارے پاس نہ آئیں اور تم اکیلی ہی جہاز پر رہو مگر گھبرانا

نہیں۔

ہم جلدی سے جلدی آنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ

عزیز کا خیال ہے کہ ہمیں دو ایک دن میں یہاں سے بھاگ

جانا چاہیے۔

”ٹھیک ہے بھائی ناگ! میں یہاں اکیلی رہ کر تم لوگوں

کا انتظار کروں گی۔“

ناگ دوبارہ سانپ کی جون بدل کر جہاز پر سے اتر کر

سمندر میں آ گیا اور تیرتے ہوئے سمندر کے کنارے پر آ

نکلا۔

یہاں سے سپاہی دور کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ پھر

بھی ناگ سانپ کی جون میں ریٹلتا ہوا کافی دور نکل گیا۔ دور

جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے انسانی شکل اختیار کی اور

بھاگتا ہوا سمندر سے دور نکل گیا۔ اور پھر شہر میں داخل ہو کر

واپس سرائے کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔

عنبر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ خزانے کو انہوں نے باورچی خانے میں پیاز کی بورلیوں کے نیچے چھپا دیا ہے اور ماریا کو بھی سب کچھ سمجھا دیا ہے وہ ہماری راہ دیکھ رہی ہے۔ اور بصرے سے فرار ہونے کو بے تاب ہے۔
عنبر نے کہا۔

بس اب ہمیں دو ایک راتوں میں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ ہمیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت کی ہر شے جہاز کے اندر موجود ہے۔

پانی کے مٹکے ابھی چار ماہ تک ہمیں کام دے سکتے ہیں۔ خوراک بھی بہت ہے۔ اب ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا کہ ہماری ترکیب کیا ہوگی؟

ہم کس طریقے سے یہاں سے جہاز لے کر بھاگیں گے۔
ناگ بولا۔

عنبر بھائی اب یہاں سے فرار ہونے کی تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آدھی رات کو اندھیرے میں جا کر سپاہیوں کو ہلاک کر دیا جائے۔

جہاز کا لنگر اٹھا کر کوچ بول دیا جائے اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی اگر کوئی ہو سکتی ہے تو بتا دو۔
عنبر نے سر جھکا کر کہا۔

ناگ نے کہا۔
نہیں پہلے ہمیں رات کو جا کر یہ پتا کرنا چاہیے کہ جہاز پر کتنے سپاہی پہرہ دیتے ہیں؟

وہ کس کس جگہ پر عام طور پر کھڑے رہتے ہیں۔ وہ سوتے کب اور کہاں ہیں؟ کیا یہی چار پانچ سپاہی پہرہ دیتے ہیں یا دوسرے سپاہی بھی وہاں موجود ہیں۔

”ٹھیک ہے میں آج رات جا کر یہ جاسوسی کرتا ہوں۔“ ناگ نے کہا۔

”نہیں عنبر بھائی! یہ کام تم نہیں کر سکتے ہو۔ یہ جاسوسی میں بڑی اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ تمہارے پکڑے جانے کا ڈر ہے۔ میرے پکڑے جانے کا ڈر نہیں ہے۔“

”جیسے تمہاری مرضی! پھر تم آج رات اندھیرا ہوتے ہیں جہاز کی طرف نکل جاؤ اور خبردار سپاہیوں کے قریب جانے کی کوشش نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج دن کی طرح سپاہی تمہیں دیکھ کر تم پر حملہ کر دیں۔“

”فکر نہ کرو عنبر بھائی، میں چوکس رہوں گا۔“

رات کو اندھیرا ہوتے ہی ناگ جاسوسی کرنے کے لیے سرائے سے باہر نکل گیا۔ وہ گلی کوچوں کے اندھیروں میں سے گزرتا سمندر کے کنارے آ گیا۔ وہ چھپتا چھپاتا ان جھاڑیوں کے پاس پہنچ گیا۔

جس کی دوسری جانب جہاز کے سامنے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے سانس بھر کر سانپ کی شکل بدل ڈالی۔ سانپ کی شکل بدل کر ناگ ریٹکتا ہوا آگے نکل گیا۔

اب اس نے کھجوروں کے درختوں پر سفر کرنا شروع دیا۔ ایک درخت سے دوسرے درخت پر ہوتے آخر وہ اس درخت کے اوپر آ گیا جس کے نیچے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سانپ درخت سے نیچے دیکھنے لگا۔

جہاز پر قتل

واپس آ کر ناگ نے عنبر کو ساری خبر دی۔

اس نے بتایا کہ جہاز کے باہر صرف چھ سپاہی پہرہ دیتے ہیں۔ اگر کسی طرح سے ان سپاہیوں پر قابو پا لیا جائے تو پھر ہمارا راستہ صاف ہو جائے گا۔ عنبر نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو جہاز پر حملہ کر دیں گے۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ عنبر اور

کل چھ سپاہی تھے۔ تین سپاہی جہاز کے آگے کھڑے تھے اور تین سپاہی ایک طرف ہو کر چکر لگا رہے تھے۔ وہ آپس میں ہنس کر باتیں کر رہے اور قہقہے قہقہے لگا رہے تھے۔

کافی دیر درخت پر بیٹھے رہنے کے بعد ناگ نے پوری جاسوسی کر کے دیکھ لیا کہ وہ صرف چھ سپاہی ہی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی سپاہی وہاں نہیں ہوتا۔

ہو سکتا ہے صبح کو وہ بدل جاتے ہوں اور چھ نئے سپاہی وہاں آ جاتے ہوں۔ سانپ درختوں درختوں میں لپکتا واپس چل پڑا۔

ناگ سو گئے۔ دوسرے دن رات کو انہیں۔۔ جہاز پر حملہ کر

کے اسے لے کر وہاں سے فرار ہونا تھا۔

دوسری طرف سپاہی جہاز پر پہرہ دے رہے تھے۔ ان

کے کپتان کو نیند آنا شروع ہو گئی۔ اس نے اپنے ساتھی سے

کہا۔

یارنگ! ”مجھے نیند آ رہی ہے، کیا تمہارے پاس قہوے

کی پتی ہوگی۔“

یارنگ نے کہا۔

”سرکار! پتی تو ختم ہو گئی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو جہاز

کے باورچی خانے سے جا کر قہوے کا مسالہ لے آؤں کیونکہ

میں نے دیکھا تھا وہاں بہت کھانے پینے کا سامان پڑا ہے۔“

کپتان نے کہا۔

ٹھیک ہے، جہاز پر جا کر قہوے کا مسالہ بھی آؤ اور اگر

وہاں خشک میوے ہوں تو وہ بھی چنگیر بھر کر لے آنا۔

باقی سپاہی بھی خوش ہو کر بولے کہ ہمیں بھی نیند آ رہی

ہے، ہم بھی خشک میوہ کھائیں گے اور قہوہ پیئیں گے۔ کپتان

نے انہیں ڈانٹ کر کہا۔

”کم بختو! پہلے یارنگ بے چارے کو جہاز پر جا کر

چیزیں تو لے آنے دو۔“

”اس کے ساتھ جانے پر کوئی تیار نہیں ہو رہا۔ کھانے کو

سب راضی ہیں۔“

یارنگ نے ہنس کر کہا۔

”حضور! میرے ساتھ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں۔

جہاز سارے کا سارا خالی ہے۔ میں ابھی جا کر قہوہ وغیرہ لے

کر آ جاتا ہوں۔“

یارنگ بڑا ظالم اور بہادر سپاہی تھا۔ اس نے صرف شہر میں کوئی چھ سات سو مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔ وہ بات بعد میں کرتا تھا اور تلوار پہلے چلا دیتا تھا۔

وہ اگر ڈرتا تھا تو صرف اپنے کپتان سے ڈرتا تھا۔ کپتان کا حکم پا کر اس نے جہاز کو جانے والی چھوٹی سی کشتی میں قدم رکھا اور اسے لے کر جہاز کے پاس اس جگہ آ گیا جہاں اوپر جانے والی سیڑھی لٹک رہی تھی۔

باقی سپاہی اسے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ابھی وہ مزے دار خشک میوے اور قبوہ لے کر واپس آئے گا۔ وہ مزے سے قبوہ پیس گے اور میوے کھائیں گے۔

یارنگ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ وہ تلاشی

لینے والوں کے ساتھ تھا۔

اس لیے اسے جہاز کے چپے چپے کا علم تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے سیدھا باورچی خانے میں آ گیا۔ باورچی خانے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا۔

وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران سا ہوا کہ باورچی خانے میں چولہے پر ایک کیتلی دھری تھی جس میں گرم گرم قبوہ تھا۔ آگ اگرچہ بجھی ہوئی تھی مگر قبوے کی دیکھی گرم تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یہاں قبوہ کس نے گرم کیا ہے کیونکہ دو روز سے جہاز کے اندر کوئی نہیں گیا تھا۔

یارنگ نے مرتبانوں کو الٹ پلٹ کر خشک میوے اور قبوے کا مسالہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ماریا اس وقت اپنے کیبن میں سو رہی تھی۔

سے ان اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کو دیکھنے لگا جن کی چمک سے اس کی آنکھیں چکاچوند ہو رہی تھیں۔ وہ تو دنگ رہ گیا کہ اتنا بڑا خزانہ اس ویران جہان میں کہاں سے آ گیا۔

ایک دم سے اس کی نیت بدل گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ یہ خزانہ یہاں سے کسی وقت چرا کے لے جائے گا اور بصرے سے بھاگ کر واپس اپنے وطن قازقستان چلا جائے گا۔ وہاں جا کر ایک عالی شان محل خریدے گا۔ غلام اور لونڈیاں خریدے اور مزے سے باقی زندگی بسر کرے گا۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی اسے اور خزانے کو دیکھ رہی ہے۔ ماریا یارنگ کو اٹھتا دیکھ کر پیچھے ہٹی تو ایک کنورا اس کے ہاتھ سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا کہ کنورا کس نے

یارنگ کے ہاتھ سے ایک مرتبان گر کر چھن کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ مرتبان ٹوٹنے کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ دوسری طرف یارنگ کو قبوے کا مسالہ تو مل گیا تھا مگر خشک میوے نہیں مل رہے تھے۔

اس نے بوریوں کو ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔ پیاز کی ایک بوری گری تو ساری بوریاں ایک طرف کواٹ گئیں۔

یارنگ نے دیکھا کہ بوریوں کے نیچے ایک صندوق پڑا ہوا ہے۔

وہ سوچنے لگا یہ صندوق بوریوں کے نیچے کس نے چھپا رکھا ہوا ہے؟ ضرور اس میں کوئی خاص چیز ہوگی۔ یارنگ نے آگے بڑھ کر صندوق کا ڈھکنا الٹ دیا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شمع ایک طرف رکھی اور غور

زمین پر گرایا ہے۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی کہ خزانے پر وہ قبضہ جمانے کی فکر میں ہے۔ یارنگ نے کچھ اشرفیاں اور جواہرات نکال کر جیب میں ٹھونس لیں اور خزانے کا ڈھکنا بند کر کے اوپر پیار کی بوری رکھ دی۔ ماریا کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ خزانے کا راز فاش ہو چکا تھا۔ اگر یارنگ واپس جاتا ہے تو خزانے کا راز کھل جانے کا خطرہ تھا۔

ماریا کو کیا خبر تھی کہ یارنگ نے اکیلے ہی خزانے پر قبضہ کرنے کا سوچ رکھا ہے۔ بہر حال یارنگ کا وہاں سے واپس جانا خطرناک تھا۔

ماریا جلدی سے پیچھے ہٹی اور باورچی خانے کے دروازے پر ایک بھرا ہوا مرتبان لے کر کھڑی ہو گئی۔ یارنگ

نے خزانے کے صندوق پر بوری رکھ کر اپنی جیبوں میں ٹھونس ہوئی دولت سے کوغور سے دیکھا۔ ذرا سا مسکرایا۔

تلوار پیام میں ڈالی۔ قہوے کا سالہ لیا اور واپس مڑا۔ ماریا دروازے میں اس کی آؤ بھگت کرنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

جونہی باورچی خانے کے دروازے سے نکلنے لگا، ماریا نے اوپر سے مرتبان اس کے سر پر دے مارا۔ یارنگ چکرا کر زمین پر گر ا اور پھر کھڑا ہوا۔

اس نے تلوار نکال لی اور ہوا میں چلانے لگا۔ ”کون ہے؟ کون ہے یہاں۔ سامنے آؤ۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پرے ہٹ کر کھڑی

ماریا نے چھری اس کے سینے میں گھونپ دی۔ چھری
گھونپ کر وہ پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ چھری اچانک سینے
میں لگی تھی۔

یارنگ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس چیخ کی آواز
جہاز کے باہر بھی گئی۔ کپتان اور دوسرے سپاہیوں نے
یارنگ کی چیخ کی آواز سنی تو وہ کشتی میں بیٹھ کر جہاز کی طرف
لیکے۔

یارنگ زمین پر لہو لہان گرا ترپ رہا تھا۔ ماریا نے اس کی
جیبوں سے جواہرات وغیرہ نکال لیے۔

یارنگ نے محسوس کیا کہ کسی کا ہاتھ اس کی جیبوں میں
سے جواہرات نکال رہا ہے۔ اس نے زخمی حالت میں ہی
ماریا کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

ہو گئی۔

یارنگ ہوا میں تلوار چلاتا اس کے قریب آ گیا اس کی
ماریا کے پاس ہی تپا ہی پر پڑی۔

تپائی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یارنگ کا سر پھٹ گیا تھا اور
خون بہہ رہا تھا۔ اب وہ واپس جانے کے لیے بے تاب تھا۔
وہ باورچی خانے میں تلوار چلانے کے بعد وہ واپس بھاگا۔

وہ اپنے ساتھ خزانے کا راز لے جا رہا تھا۔ ماریا سے کبھی
زندہ واپس نہیں بھیج سکتی تھی۔ وہ اوپر سیڑھیوں میں آ کر کھڑی
ہو گئی۔

اب اس کے ہاتھ میں وہ تیز چھری تھی جسے وہ باورچی
خانے سے اٹھا کر لائی تھی۔ جونہی یارنگ سیڑھیاں چڑھا کر
اوپر آیا۔

لت پت پڑا تھا۔

اس میں تھوڑی تھوڑی جان باقی تھی۔ کپتان نے جلدی سے اس کا سر گود میں رکھ کر کہا۔

”کس نے حملہ کیا تم پر؟ جہاز تو خالی ہے۔“

یارنگ کے زرد چہرے پر موت کا سایہ تھا۔ اس نے ہاتھ سے باورچی خانے کی طرف اشارہ کیا اور بڑی کوشش سے صرف اتنا کہا۔

”وہ۔۔۔ اندر۔۔۔ اندر۔۔۔“

”ہاں ہاں اندر کون ہے؟“

کپتان نے زور سے کہا۔

یارنگ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور چہرہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ایک آخری ہچکی لینے کے بعد یارنگ مر گیا۔ چھری اس

مگر ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہو گئی۔ یارنگ کا سانس اکھڑنے لگا۔ ماریا نے سارے جواہرات سمیٹے اور انہیں لے کر واپس باورچی خانے میں جانے ہی والی تھی کہ اسے جہاز کے عرشے پر سپاہیوں کی بھاری اور تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دیں۔

سپاہی یارنگ کی چیخ سن کر اس کی مدد کو آ رہے تھے۔ ماریا جلدی سے اپنے کیبن میں آ گئی۔ اس نے اندر سے دروازہ کھلا ہی رکھا تا کہ کسی کو شک نہ پڑے کہ اندر کوئی ہے۔ سپاہی اگر اندر بھی آگئے تو اسے تو وہ دیکھ ہی نہیں سکیں گے۔ پھر کنڈی لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

کپتان دوسرے سپاہیوں کے ساتھ دھڑام دھڑام سیڑھیاں اتر کر سامنے سیڑھیوں کے پاس یارنگ خون میں

کے دل کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔

پکتان نے گرج کر کہا۔

”باورچی خانے کی تلاشی لو، دشمن یہیں کہیں چھپا ہوگا۔“

سپاہیوں نے باورچی خانے کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر

انہوں نے سارے جہاز کی ایک یار تلاشی لے لی۔ مگر وہاں

کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا نے اس بات کے لیے خدا کا شکر ادا کیا کہ مرنے

والے سپاہی نے خود ہی خزانے کے صندوق کو پیاز کی پوریوں

سے چھپا دیا تھا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ماریا کے پاس خزانہ چھپانے کا وقت

نہیں تھا اور یہ لوگ ضرور خزانے پر قبضہ کر لیتے۔

پکتان نے کہا۔

”یارنگ نے مرتے ہوئے کہا تھا کہ اندر کوئی ہے۔

ضرور اسے باورچی خانے میں ہی کسی نے قتل کیا ہے۔ نہیں تو

اسے اندر کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔“

سپاہیوں نے کہا۔

”سرکار! باورچی خانے کا تو چپہ چپہ ہم نے چھان مارا

ہے، وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو کہاں جا سکتا

تھا؟“

پکتان نے سوچا بات ٹھیک ہی یہ۔ اگر کوئی ہوتا تو وہ

کہاں جا سکتا تھا؟

بہر حال اس نے ایک بار پھر جہاز کی تلاشی لینی شروع کر

دی۔

سارے کیبن دیکھے۔ یہ لوگ ماریا کے کیبن میں بھی

اسے پکڑ نہیں سکتے۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔
سوراخوں میں سے کیبن کے اندر روشنی آرہی تھی۔ کپتان اور
سپاہیوں نے ہر شے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

بستر گرم تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہاں سے ابھی ابھی
کوئی سوکراٹھا ہے۔ باورچی خانے میں گرم قبوے کی کیتلی بھی
تھی۔ مگر انسان کوئی وہاں نہیں تھا۔

یہ ایک ایسا معمہ تھا جو ان سے کسی طرح حل نہ ہو رہا تھا۔
کپتان نے کہا۔

جہاز پر بھی رات کو پہرہ رہے گا۔ اگر یہاں کوئی ہے تو وہ
بچ کر نہیں جاسکتا۔

کپتان نے دو سپاہیوں کو جہاز پر پہرہ دینے کا حکم دیا اور
باقیوں کو لے کر وہ جہاز سے نیچے اتر گیا۔ یارنگ کی لاش بھی

آئے۔ ماریا جواہرات کو ہاتھ میں لیے کونے میں کھڑی ہو
گئی۔ کپتان نے اس کے کیبن کی ایک ایک شے کو اٹھا
کر دیکھا۔ بستر کو دیکھ کر بولا۔

”بستر گرم کیوں ہے؟ ضرور یہاں کوئی رات کو سو رہا
ہے۔“

ایک سپاہی نے کہا۔

”حضور! باورچی خانے میں بھی ایک کیتلی میں گرم گرم
قبوہ پڑا تھا، ضرور یہاں کوئی شخص رہتا ہے۔ ہمیں جہاز کی
ایک ایک شے کو اچھی طرح دیکھنا ہوگا۔“

ماریا کونے میں کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ جس شخص کی وہ
تلاش میں ہیں وہ ان کے سامنے کھڑی ہے۔ لیکن اسے دیکھ
نہیں سکتے۔

وہ ساتھ لے گئے۔

ان کے جاتے ہی ماریا نے سکھ کا سانس لیا۔

مگر اب ایک اور مصیبت اس کے سر پر سوار ہو گئی تھی۔ دو

سپاہی جہاز کے اوپر پہرہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔

ان سپاہیوں سے اسے خود کو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن عتیر اور ناگ

کے لیے یہ پہرے دار مصیبت کا باعث ہو سکتے تھے۔

ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ باورچی خانے میں چلی

گئی۔

اس نے خشک گوشت کے ٹکڑے لیے اور انہیں زیتون

کے تیل میں ڈال کر گرم کرنے لگی۔ کرنا خدا کا کیا ہوا پہرے

داروں کو بھی بھوک لگی۔

ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

”یار بھوک لگ رہی ہے۔ یہ تو ہماری قسمت اچھی ہے کہ

ہماری ڈیوٹی جہاز پر لگ گئی ہے۔ جہاز میں کھانے پینے کا بڑا

سامان ہے۔ چلو نیچے باورچی خانے میں چل کر کچھ کھاتے

پیتے ہیں۔“

دوسرا بولا۔

”ہم دونوں کا نیچے جانا ٹھیک نہیں۔ ایسا کرو۔ تم نیچے جا

کر کچھ کھانے کی چیزیں لے کر اوپر آ جاؤ۔ پھر دونوں مل کر

یہاں مزے سے کھائیں گے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“

چنانچہ ایک سپاہی نیچے آ گیا۔ سیڑھیوں پر سے اتر کر وہ

باورچی خانے میں آیا تو یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ چوبے میں

آگ جل رہی تھی۔ اور گوشت تلا جا رہا تھا۔

تھی۔ صرف چولہا گرم تھا۔

دوسرے سپاہی نے مسکرا کر کہا۔

”میں نہ کہتا تھا کہ تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔ دیکھو

یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔“

پہلا سپاہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس چولہے میں

آگ جلتی اور اس کے اوپر تھالی میں گوشت تلا جاتا دیکھا

ہے۔“

”چلو اب بکواس بند کرو اور کھانے کی فکر کرو۔ زیادہ دیر

نیچے ہے تو اوپر ان کو چتا چل جائے گا کہ پہرے دار غر شے پر

سے غائب ہیں۔“

پہلا سپاہی بولا۔

وہ تو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ وہیں سے پلٹ کر اوپر بھاگا

اور دوسرے ساتھی سے بولا۔

”غضب ہو گیا۔ باورچی خانے میں گوشت بھنا جا رہا

ہے۔“

دوسرا سپاہی حیرانی سے بولا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟ نیچے کون ہے جو گوشت بھونے لگا؟

تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔“

”نہیں نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ چل کر اپنی

آنکھوں سے دیکھ لو۔“

دونوں سپاہی نیچے باورچی خانے میں آ گئے۔ مگر وہاں

کچھ بھی نہیں تھا۔ چولہے کی آگ بجھی ہوئی تھی۔ اصل میں

مار یا سب کچھ وہاں سے اٹھا کر واپس اپنے کمپن میں لے گئی

سچ میں نے خود اپنی آنکھوں سے چولہے پر گوشت کو تلنے
دیکھا ہے۔

دوسرا سپاہی بولا۔

اگر بھوت نہ ہوتا تو یارنگ کو کون قتل کر سکتا تھا؟ یہ
ضرور اسی بھوت کا کارنامہ ہے۔

مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کپتان کا حکم ہے کہ جہاز پر پہرہ
دیا جائے۔ ہم مجبور ہیں۔ ڈرتو مجھے بھی لگ رہا ہے۔ لیکن اگر
ہم یہاں سے بھاگے تو ہمیں قتل کر دیا جائے گا۔
پہلا سپاہی بولا۔

میرا تو خیال ہے، باورچی خانے میں ضرور کوئی دولت
چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ میں نے یارنگ کی آنکھوں کی طرف
دیکھا تھا وہ صاف باورچی خانے کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ

”دیکھو۔ یہ دیکھو چولہا گرم ہے۔ آگ ابھی ابھی کسی
تے پانی ڈال کر بجھائی ہے۔“

دوسرے سپاہی نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ چولہا واقعی گرم تھا۔
آگ پر کسی نے پانی ڈال دیا تھا۔ وہ بھی پریشان سا ہو گیا۔
کہنے لگا۔

”چلو اب اوپر چلو۔“

انہوں نے وہاں سے کچھ کھانے کی چیزیں چنگیر میں
ڈالیں اور انہیں لے کر جہاز کے اوپر آ گئے۔ عرشے پر بیٹھ کر
دھوپ میں انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔
پہلا سپاہی بولا۔

یار مجھے تو اس جہاز سے ڈر آنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے
کہ یہاں کوئی بھوت رہتا ہے۔

چاہیے۔ جب باہر اندھیرا چھا جائے گا۔ اب نیچے گئے تو
 کپتان کو شک پڑ جائے گا۔“
 ”جیسے تمہاری مرضی۔“

دونوں سپاہی شام کا انتظار کرنے لگے۔
 دوسری طرف ماریا کھانے سے فارغ ہو کر سو رہی تھی۔
 ادھر عنبر اور ناگ نے آدھی رات کو جہاز پر حملہ کر کے فرار
 ہونے کا پورا پروگرام بنالیا تھا۔
 وہ بالکل تیار تھے۔ ان کی ترکیب یہ تھی کہ سارے کے
 سارے پہرے داروں پر ایک دم حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا
 جائے۔

اس کے بعد جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے جائیں
 اور جہاز کو کھلے سمندر میں لے جایا جائے۔ شام ہو گئی۔ ہر

سے ایسے نشان بنا رہا تھا جیسے اندر ہیرے جواہرات کے ہار
 ہوں۔

دوسرا سپاہی قہقہہ مار کر ہنسا۔
 تم پر بھوت نے اثر کر دیا ہے اگر تمہیں وہم ہے کہ
 باورچی خانے میں دولت ہے۔ ہیرے جواہرات ہیں تو جا
 کر باورچی خانے میں تلاش کرو۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔ مجھے
 اپنی جان پیاری ہے۔

پہلا سپاہی بولا۔
 یار مل کر چلتے ہیں۔ اگر دولت مل گئی تو اسے آپس میں
 تقسیم کر لیں گے۔
 دوسرا سپاہی کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں شام کے وقت جا کر تلاشی لینی

طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل گیا۔

ماریا اوپر عرشے پر آ کر ہوا کھانے لگی۔ ذرا دور دونوں
سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ کنارے پر بھی سپاہی پہرہ دے
رہے تھے۔

جہاز کو آگ لگا دو

دونوں سپاہیوں کی موت انہیں نیچے لے گئی تھی۔

سپاہی سیدھے جہاز کے باورچی خانے میں گئے۔ اندر
جاتے ہی انہوں نے شمع جلائی اور اس کی روشنی میں چیزوں کو
الٹ پلٹ کرنے اور تلاشی لینے لگے۔

ماریا کا خیال تھا کہ وہ کہاں خزانے کے صندوق تک
پہنچیں گے۔ لیکن خدا جانے سپاہیوں نے کہاں سے جاسوسی

ماریا نے دیکھا کہ دونوں سپاہی آپس میں اشارہ کر کے
سیڑھیاں اتر گئے۔ ماریا نے سوچا۔ یہ نیچے کیا کرنے گئے
ہیں؟

ماریا بھی ان کے ساتھ ہی نیچے اتر گئی۔

کر رکھی تھی کہ مرتبانوں اور تیل کے کپوں کو چھوڑ کر انہوں نے ایکدم سے پیاز کی بوریوں کو الٹنا شروع کر دیا۔

قیسری یا چوتھی بوری کے نیچے خزانہ تھا چنانچہ جب انہوں نے چوتھی بوری اٹھا کر پرے پھینکی تو ایک سپاہی نے خوشی سے چلا کر کہا۔

”مل گیا خزانہ۔“

دوسرا سپاہی اس کی طرف لپکا۔

”کہاں ہے خزانہ؟“

”یہ دیکھو صندوق۔“

انہوں نے فوراً صندوق نکال کر باہر فرش پر رکھ دیا۔ اسے جلدی سے کھولا تو اندر ہیرے جواہرات اور سونے کی اشرفیاں چمک رہی تھیں۔ سپاہی تو خوشی اور حیرانی کے ایک

دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

”یہ تو سچ کچ کا خزانہ ہے۔“

”ہاں۔ اتنی دولت میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔“

یہ تو کسی بادشاہ کے محل کا خزانہ معلوم ہوتا ہے۔“

اسے یہاں سے نکال کر لے چلو۔ یہاں رہا تو یہ ضرور

پکتان کے ہتھے چڑھ جائے گا۔

مجھے معلوم ہے پکتان کل اس جہاز کی مکمل تلاشی لے رہا

ہے۔ اس نے آج صبح ہی اپنے خاص آدمی سے کہا تھا کہ

جہاز میں ضرور کوئی خفیہ خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اس لیے ساری

چیزیں باہر نکال کر جہاز کو خالی کر دیا جائے۔

”یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔“

”میرا خیال تھا شاید یہاں کوئی خزانہ نہیں ہے۔“

کل رات رات ہم اسے وہاں سے نکال کر اپنے گھر لے جائیں گے۔

”کیا تم اسے اپنے گھر رکھو گے؟“

”تم اپنے گھر رکھ لینا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بہر حال ہم اسے آدھوں آدھ بانٹ لیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ چلو اسے بوری میں بند کرتے ہیں۔“

دونوں سپاہی خزانے کے صندوق کو ایک خالی بوری میں بند کرنے لگے۔ ماریا ان کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگی ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ آپس میں کسی فیصلے پر پہنچیں تو وہ حرکت میں آئے۔ اسے یقین تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی دوسری کو ضرور ہلاک کر دے گا۔

”اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ابھی اسی صندوق کو کسی جگہ ٹھکانے لگانا ہوگا۔“

”ہاں۔ مگر اسے ہم کہاں لے جائیں؟ باہر تو کنارے پر سپاہی اور کپتان موجود ہیں۔ ان کے سامنے اسے باہر نکالنا تو وہ اس پر قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے حصے میں ایک پائی بھی نہیں آئے گی۔“

”پھر کیا کریں؟“

”میرا خیال ہے، ہم اسے بوری بند کر کے رے کی مدد سے سمندر میں لٹکا دیتے ہیں۔ آدھی رات کو کسی بہانے تم جہاز میں سے نکل کر باہر جانا اور سمندر میں اتر کر خزانے کے صندوق کو ساتھ لے کر تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا کر اسے جھاڑیوں میں چھپا دینا۔“

خزانے کو بوری میں بند کرتے کرتے اچانک پہلے سپاہی
کی گردن ایک طرف کولنگ گئی۔ اور وہ گر پڑا۔

دوسرے سپاہی نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف کو کر دیا۔
مرنے والے سپاہی کی آنکھوں میں تھوڑی تھوڑی جان باقی
تھی۔

وہ حسرت بھری نظروں سے دوسرے سپاہی کو دیکھ رہا
تھا۔ پھر جیسے اس نے پورا زور لگا کر کہنے کی کوشش کی لیکن
آواز نہ نکل سکی اور اس کی جان نکل گئی۔

دوسرے سپاہی نے خزانے کی بوری کتدھے پراٹھائی اور
سیڑھیاں کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

وہ خزانے کے صندوق کو رسی سے باندھ کر سمندر میں
لٹکانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب ماریا کے لیے زیادہ دیر انتظار

دولت شے ہی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کا دل پھر جاتا
ہے۔

اور ایسا ہی ہوا۔

ایک سپاہی صندوق کو بوری میں بند کر کے اسے مانگے لگا
رہا تھا۔

دوسرا سپاہی پاس ہی کھڑا تھا۔ ماریا کے دیکھتے ہی دیکھتے
وہ سپاہی آہستہ آہستہ پیچھے لگا۔ ماریا مسکرائی۔ فیصلہ ہونے
والا تھا۔

پہلے سپاہی کو بالکل محسوس نہ ہوا کہ دوسرا سپاہی اس کے
پیچھے چلا گیا ہے اور اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر ہے۔

دوسرے سپاہی نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ میان میں سے
تلوار نکالی اور پہلے سپاہی کی گردن پر وار کر دیا۔

کرنا خطرناک بات تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر سپاہی کو ایک دھکا دیا۔ سپاہی لڑکھڑا کر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور تلوار اٹھا کر چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا کہ اسے دھکا کس نے دیا ہے؟

اس کے ارد گرد کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ دھکا اسے کس نے دیا ہے؟ وہ پریشان سا ہو کر اٹھا اور خزانے کی پوری کے ساتھ رسی باندھنے لگا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک زوردار لات سپاہی کی کمر پر دے ماری۔ وہ جلدی سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ سپاہی ایک بار پھر منہ کے بل گر پڑا۔

اب وہ پاگل سا ہو کر اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں

طرف دیکھنے لگا۔ اب ماریا نے اسے کہا۔

میں اس جہاز کا بھوت ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔ اس خزانے پر قبضہ ہے۔ جو کوئی بھی اسے چرانے کی کوشش کرے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

اس لیے اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اسے اپنے سر پر اٹھاؤ اور جہاں سے اٹھا کر لائے ہو، وہیں جا کر رکھ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، میرا حکم نہ مانا تو جو حشر تم نے اپنے ساتھی کا کیا ہے۔ وہی حشر میں تمہارا کروں گی۔

سپاہی نے غیبی آواز سنی اور تھر تھر کاپنے لگا۔ اسے آواز آ رہی تھی مگر شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے سوچا کہ خزانے کو سمندر میں لڑھکا دے اور پھر اس کے ساتھ خود بھی سمندر میں چھلانگ لگا دے۔ خزانہ

سمندر میں ڈوب جائے گا۔

یہاں سمندر زیادہ گہرا نہیں ہے۔ خزانہ وہ بعد میں بھی نکال لے گا۔ کپتان سے وہ یہی کہے گا کہ اس پر بھوت نے حملہ کر کے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔

یہ سوچ کر سپاہی نے بڑی مکاری سے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ خزانے کی بوری عرشے کے جنگلے کے بالکل پاس رکھی تھی۔ ماریا کو سپاہی کی نیت بدلی ہوئی نظر آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

”اگر تم نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں کھڑے کھڑے ہلاک کر دوں گی۔ میرے ہاتھوں میں نیزے اور خنجر ہیں۔ خبردار اپنی جگہ سے ہرگز ہرگز مت ہلنا جیسے میں کہہ رہی ہوں ویسا کرو۔ اٹھاؤ خزانے کو اور نیچے

باورچی خانے میں لے چلو“۔

سپاہی ڈر گیا کہ بھوت تو بچ مچ بڑا سخت ہے۔ اس نے مجبور ہو کر خزانے کی بوری سر پر اٹھائی اور اسے لے کر سیڑیاں اترنی شروع کر دیں۔

باورچی خانے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، شاید بھوت چلا گیا ہے۔ وہ ایک پل کھڑا رہا۔ پھر پیچھے کو کھسکنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی نیام میں سے ہاتھ مار کر تلواریں لی اور تلواریں نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

اندر چلی۔ خبردار جو بھاگنے کی کوشش کی۔ اب تو سپاہی کی جان ہی نکل گئی۔ وہ یاورچی خانے میں داخل ہو گیا۔ اس نے خزانے کی بوری زمین پر رکھ دی۔ ماریا نے کہا۔

آپ کو کس طرح بے گناہ کہتے ہو؟

تمہاری قتل کی ہوئی لاش یہ سامنے فرش پر پڑی ہے۔
کیوں نہ تمہیں بھی اس جرم کی سزا میں قتل کر کے تمہاری لاش
اس کے ساتھ ہی سلا دی جائے؟۔

سپاہی اگرچہ بھوت سے ڈر گیا تھا مگر وہ ایک وحشی قوم کا
نڈر قسم کا سپاہی تھا۔ وہ ماریا سے باتیں بھی کر رہا تھا اور باہر
بھاگنے کی راہ بھی تلاش کر رہا تھا۔

ماریا کو بھی اس بات کی خبر تھی کہ اگر یہ شخص باہر بھاگ گیا
تو خزانے کا راز ضرور جا کر فاش کر دے گا۔ یہ ضرور پکتان کو
جا کر بتا دے گا کہ جہاز میں بھی خزانہ بھی ہے۔ اور بھوت بھی
ہے۔

بھوت نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے کیونکہ وہ

”اسے بوری میں سے نکال کر اسی جگہ رکھو۔ جہاں پہلے
موجود تھا۔“

سپاہی نے خزانے کو بوری میں سے نکال کر بوری پر سے
پھینک دی۔ اور خزانے کے صندوق کو دوسری بوریوں کے
نیچے چھپا کر اوپر دوسری بوریاں رکھ دیں۔

اب خزانہ ایک بار پھر چھپ گیا تھا۔ قریب ہی دوسرے
سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ ماریا نے سپاہی سے کہا۔
”بولو! اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“۔

سپاہی نے کہا۔

”میں بے گناہ ہوں۔“

ماریا بولی۔

”تم نے ابھی ابھی ایک انسان کا خون کیا ہے۔ تم اپنے

خزانہ نکال کر پکتان کے لیے لا رہے تھے۔ چنانچہ ماریا ہوشیار تھی کہ سپاہی بھاگنے نہ پائے۔
سپاہی کو اپنی جگہ سے کھسکتے دیکھ کر ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔
”خبردار اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم ختم کر دیئے جاؤ گے۔“

اب جس طرح سے میں کہتی ہوں اسی طرح کرو۔ اس ستون کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔
سپاہی چپکے سے ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ سپاہی کو رسی کے ساتھ ستون پر باندھ دے گی۔ جب غبر اور ناگ آئیں گے تو انہیں ساری بات بتا دے گی۔

پھر جو وہ فیصلہ کریں گے، وہی ہوگا۔ بہر حال وہ اس

سپاہی کو جہاز سے بھاگتا ہوا ہر داشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ رسی لے کر سپاہی کی طرف بڑھی۔ جونہی اس نے رسی اٹھا کر سپاہی کے گرد لپیٹی، سپاہی نے ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کی طرف بھاگا۔

یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ خزانے کا راز جہاز سے باہر جا رہا تھا۔ ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تلوار گھما کر پوری طاقت سے سپاہی کی طرف پھینک دی۔

اس کی قسمت اچھی تھی اور سپاہی کی قسمت بری تھی کہ تلوار پیچھے سے سپاہی کی کمر میں جا کر کھب گئی۔ ایک چیخ مار کر سپاہی دروازے میں ہی گر گیا۔

وہ گرتے ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا پاس کھڑی ہو گئی۔

سکا۔

ماریا اس کی لاش کو اسی جگہ چھوڑ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ سمندری پرگہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ رات گزر رہی تھی۔ کنارے پر آگ کا الاؤ جل رہا تھا۔

اس کے گرد سپاہی اور اس کا کپتان بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ماریا کو اتنا معلوم تھا کہ عنبر اور ناگ رات کو کسی وقت آئیں گے، جہاز کو زیادہ دنوں تک کھڑا کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگلے روز جیسا کہ سپاہی نے کہا تھا کہ کپتان سارے جہاز کی پوری تلاشی لے رہا تھا۔ اگر آج رات انہوں نے وہاں سے کوچ نہ کیا تو دوسرے روز خزانہ اور جہاز ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

”تم نے وہی کیا جس سے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اب تم کو اپنے جرم کی سزا مل گئی ہے۔ تم نے اپنے ساتھی کو دولت کے لیے قتل کر دیا تھا۔ اب دولت کے لیے تم خود ہلاک ہو رہے ہو۔ تم اب یہاں سے اٹھ نہیں کتے۔ یہ جگہ تمہاری قبر بنے گی۔“

سپاہی ایک بار اٹھا اور دروازے میں سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ وہ جانتی تھی کہ سپاہی زیادہ دور تک زندہ حالت میں نہ جاسکے۔ کیونکہ اس کے جسم سے بہت زیادہ خون نکل چکا تھا۔

پھر بھی سپاہی نے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کی۔ وہ چھ سات سیڑھیاں چڑھ گیا۔ پھر الٹ کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ

آ گیا۔

انہوں نے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھام رکھی تھیں۔ جہاز کے عرشے پر ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کپتان نے دو سپاہیوں کے نام لے کر آواز دیں۔ کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ کپتان نے کہا۔

”نیچے چل کر معلوم کرتے ہیں۔“

جونہی وہ نیچے سیڑھیوں میں آئے۔ مشعل کی روشنی میں انہیں ایک سپاہی کی لاش سیڑھیوں میں پڑی دکھائی دی۔ تلوار اس کی پشت میں ابھی تک کبھی ہوئی تھی۔

”ہائیں۔ اسے کس نے قتل کیا ہے؟“

وہ جلدی سے باورچی خانے میں گئے تو دوسرے سپاہی

آگ کے لاؤ کے گرد بیٹھے بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ایک سپاہی نے کپتان سے کہا۔

پہرہ دینے والے کتنی دیر سے دکھائی نہیں دے رہے۔

جہاز کے عرشے پر مشعل بھی نہیں جل رہی کیا بات ہے؟

کپتان بھی حیران ہوا۔ وہ جہاز کے عرشے کی طرف دیکھنے لگا۔

جہاں گہری خاموشی طاری تھی اس نے ایک دو آوازیں دے کر سپاہیوں کو بلایا بھی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ کپتان نے کہا۔

”دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔ چلو چل کر پتہ کریں کہ یہ لوگ کہاں جا کر مر گئے ہیں؟“

کپتان نے دو سپاہیوں کو ساتھ لیا اور جہاز کے عرشے پر

کی لاش بھی وہاں پڑی تھی۔ اب تو وہ پریشان ہو گئے۔

پکتان نے کہا۔

”لاشوں کو اٹھا کر اوپر لے آؤ۔“

اسی وقت سپاہیوں کی لاشوں کو اٹھا کر عرشے پر لٹا دیا

گیا۔

پکتان نے کہا۔

”آخر یہاں کون قاتل چھپا ہوا ہے۔ جس نے دونوں

میں ہمارے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے؟“

ایک سپاہی نے کہا۔

سرکار! میرا تو خیال ہے کہ اس جہاز پر بھوتوں کا قبضہ

ہے۔ یہاں ضرور بھوت رہتے ہیں۔

انہوں نے ہی ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔

دوسرا بولا۔

”ہاں سرکار! بھوتوں کے سوا اور کوئی بھی یہ کام نہیں کر

سکتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس جہاز کو آگ لگا دینی چاہیے۔“

ماریا قریب ہی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھیں۔ اس نے جو

جہاز کو آگ لگانے کے بارے میں سنا تو وہ کانپ اٹھی۔ اگر

ان لوگوں نے جہاز کو آگ لگا دی تو خزانے کے ساتھ ساتھ

جہاز بھی خاک سیاہ ہو کر سمندر میں غرق ہو جائے گا۔

وہ تو کسی طرح سے بھاگ کر جان بچالے گی مگر جہاز اور

خزانے کو کسی طرح سے بھی بچایا نہ جاسکے گا۔

پکتان نے کہا۔

میں گورنر سے اجازت حاصل بغیر جہاز کو آگ نہیں لگا

سکتا۔

ماریا کی جان میں جان آئی۔

سپاہی نے کہا۔

”مگر حضور! ہمارے چار سپاہیوں کو یہ خونی جہاز ہڑپ کر گیا ہے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم اس سے اپنے بہادر سپاہیوں کا بدلہ لیں۔“

تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا بس چلے تو میں ابھی کھڑے کھڑے اس خونی جہاز کو آگ لگا دوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔

گورنر کے حکم سے یہ جہاز یہاں نظر بند ہے۔ ہاں میں گورنر سے بات کر کے اس جہاز کو آگ لگانے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم لوگ ساتھیوں کی لاشیں

لے کر نیچے آ جاؤ۔

سپاہیوں نے لاشوں کو کندھوں پر رکھا اور جہاز سے اتر کر کنارے پر آ گئے۔

لاشوں کو انہوں نے اسی جگہ گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔

پکتان نے کہا۔

”مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم لوگ ہوشیاری سے پہرہ دو۔ میں ذرا دیر کو آنکھ جھپک لوں۔“

”ٹھیک ہے سرکار! آپ آرام سے سوئیں۔ ہم پہرہ دیں گے۔“

پکتان سو گیا اور باقی سپاہی پہرہ دیتے رہے۔ انہیں سوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سپاہیوں کو پیچھے جھاڑیوں

میں آہٹ سی سنائی دی۔

سپاہیوں نے چوتک کر پیچھے دیکھا۔ رات کے
اندھیرے میں وہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
”میرا خیال ہے کوئی خرگوش ہوگا۔“

سپاہی بڑے آرام سے پھر پہرہ دینے لگے۔ ٹھیک اس
وقت عنبر اور ناگ جہاز پر قبضہ جمانے وہاں پہنچ چکے تھے۔

کالا جادو

عنبر اور ناگ آدھی رات کو سرائے سے نکل کھڑے
ہوئے۔

انہوں نے سرائے کے مالک عبداللہ بن عزیز کو سب بتا
دیا تھا کہ وہ جہاز کو لے کر بصرے سے بغداد کی طرف کوچ کر
رہے ہیں۔

عبداللہ نے انہیں دعا دی تھی اور کہا تھا کہ خدا انہیں

کافروں کے ظلم سے بچائے۔ عنبر اور ناگ بڑی خاموشی کے ساتھ تلواریں نیام میں لگائے شہر کی سنگان گلیوں میں سے گزرتے سمندر کے کنارے آ گئے۔

انہوں نے پرے کنارے کی طرف جھاڑیوں میں سے آگے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

جہاز پر روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ انہیں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں جہاز سمندر میں کھڑا دور سے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں کنارے پر آگ کا الاؤ بھی دکھائی دیا۔

الاؤ کے گرد سپاہی بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ دونوں بھائی جھاڑیوں میں سے ہو کر آگے بڑھتے گئے۔ جب وہ بہت قریب پہنچ گئے تو عنبر نے ناگ سے سرگوشی میں کہا۔

”ناگ! اب تم سانپ کی جون بدل کر وہاں جاؤ میں تمہارے بعد وہاں آ جاؤں گا۔“

ناگ نے سر کے اشارے سے اچھا کہا اور جھاڑیوں میں سے ہو کر آگے نکل گیا۔

آگے جا کر اس نے دور سے سانس اندر کو کھینچا اور پھر سانپ کی شکل میں بدل گیا۔ سانپ بنتے ہی اس نے ریٹگنا شروع کر دیا۔

وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سپاہی آگ کے گرد بیٹھے تھے۔ دو چار سپاہی چل پھر کر جہاز کے آگے پہرہ دے رہے تھے۔ ان سپاہیوں کا کپتان سو رہا تھا۔

سانپ کے سر سرانے سے پتوں میں کھڑکھڑسی ہوئی تو سپاہیوں نے جھاڑیوں کی طرف دیکھا۔ سانپ چھپ گیا۔ دو

گیا۔ دوسرے سپاہی اور پکتان ہوشیار ہو کر جھاڑیوں کی طرف آئے۔ وہاں دونوں سپاہی مر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ایک کالے ناگ نے ڈس لیا ہے۔

پکتان اور سپاہیوں نے سانپ کی تلاش شروع کر دی۔ دو سپاہیوں نے مرنے والے سپاہیوں کی چند لیوں پر کس کے پٹی باندھ دی کہ زہر اوپر نہ چڑھنے پائے۔ لیکن ناگ کا زہر بڑا خطرناک تھا۔

ایک پل کے اندر اندر زہر نے دونوں سپاہیوں پر اثر کر دیا۔ دونوں کے جسم نیلے ہو کر پھول گئے۔ اور پھٹنے لگے۔ دونوں مر گئے۔ پکتان نے حکم دیا۔

”سانپ یہیں کہیں ہوگا۔ اسے تلاش کر کے نکلے

تین سپاہی جھاڑیوں کے پاس آئے انہیں سانپ دکھائی نہ دیا۔

سانپ نے سوچا کہ ان دونوں کو اسی جگہ ختم کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اگر وہ واپس چلے گئے تو سب کے پیچ میں جا کر انہیں ہلاک کرتا بڑا مشکل ہو جائے گا۔

جونہی دونوں سپاہی واپس مڑنے لگے سانپ نے لپک کر ایک سپاہی کو ڈس دیا۔ وہ چیخ مار کر گر گیا۔

سانپ کا زہر بہت تیز اور تکلیف دینے والا تھا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر دوسرا سپاہی ادھر کو آیا۔ اسے بھی سانپ نے ناگ پر ڈس دیا۔ وہ بھی چیخ کر گر گیا۔

سانپ نے دوسری جھاڑی میں سے ہو کر آگے کو نکل

نکلڑے کر دو۔“

سپاہیوں نے ارد گرد کی جھاڑیوں پر تلواریں اور نیزے
برسانے شروع کر دیے۔ ذرا فاصلے پر ایک جھاڑی میں عنبر
بھی چھپا ہوا تھا۔

سپاہی اس کے قریب بھی آ گئے۔ عنبر نہ تو غائب ہو سکتا تھا
اور نہ ناگ کی طرح سانپ بن سکتا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
اب سوائے مقابلہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ عنبر کو اپنے
سامنے دیکھ کر پکتان اور سپاہیوں کو طیش آیا۔

”تم کون ہو؟“

عنبر اب کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے کہا۔

”سنو! میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ میں اس جہاز کو
یہاں سے لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم نے میرے

راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو میں تم سب کو قتل کر کے
نکل جاؤں گا۔“

پکتان نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہہ دیا۔

”سپاہیو! اس گستاخ کی زبان کاٹ ڈالو۔“

سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اس کا منہ کھول
زبان کاٹنے کے لیے خنجر چلایا ہی تھا کہ خنجر کا پھل ٹوٹ کر ان
کے ہاتھوں میں آ گیا۔

عنبر سپاہیوں کو گرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم لوگ مجھے ہلاک نہیں کر سکو گے۔ اب بھی میں تمہیں

کہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دو۔ مجھے جہاز لے کر یہاں سے
نکل جانے دو، نہیں تو تم سب کی لاشیں اس ریت پر تڑپ
رہی ہوں گی۔“

پکتان نے عنبر کے سر پر زور سے تلوار والا ہاتھ مار کر کہا۔
”میں ابھی تمہیں موت کی نیند سلائے دیتا ہوں۔“

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کیونکہ تلوار پکتان کے ہاتھ سے
بھی چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔

اب عنبر نے بھی تلوار نکال لی اور باقاعدہ مقابلہ شروع ہو
گیا۔ مگر عنبر کے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس پر چاروں
طرف سے وار ہو رہے تھے۔

ساتوں کے ساتوں سپاہی تلواریں اس پر چلا رہے تھے۔
وہ اپنی طرف سے اس کا قیامہ قیامہ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ
یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ نہ تو عنبر کے جسم پر ان تلواروں سے
کوئی زخم لگ رہا تھا اور نہ اسے کسی جگہ سے خون نکل رہا
ہے۔ اس کے الٹ عنبر کی تلوار کاٹ رہی تھی۔

اس نے دیکھتے دیکھتے دو سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔
اب وہ تیسرے پر حملے کر رہا تھا۔ عنبر نے تیسرے سپاہی کو بھی
ہلاک کر دیا، کیونکہ اس پر تو کسی وار کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔
اسے پیچھے سے وار بچانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ ایک
سپاہی کو چن لیتا اور پھر اسے ختم کر کے دوسرے کی طرف گھوم
جاتا۔

تھوڑے ہی وقت میں اس نے پانچ سپاہی قتل کر کے
پھینک دیئے۔ چھٹا بھاگ گیا۔ اب اس کے سامنے صرف
پکتان رہ گیا تھا۔ عنبر تلوار لے کر اس کے سامنے آ گیا اور
بولتا۔

”اگر تم چاہو تو میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں، کیونکہ
میں کسی بے گناہ کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ تم تلوار پھینک کر

یہاں سے بھاگ سکتے ہو۔“

کپتان نے کہا۔

”میں ایک بہادر قوم کا سپاہی ہوں۔ میرے سپاہی بھی

بہادر ہیں اور میں بھی بہادر ہوں۔ میں میدان چھوڑ کر نہیں

بھاگوں گا۔ میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔“

عزیز نے کہا۔

تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری

تلوار کا مجھ پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا۔ اگر میں تمہاری طرح

ایک عام آدمی ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ تم مجھے قتل کر دیتے اور میں

تمہارا مقابلہ نہ کر سکتا۔

لیکن میں تمہاری طرح کا ایک عام آدمی ہوں۔ میں

ایک بھوت ہوں۔ تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک بھوت ہوں۔ تم

میرے مقابلے پر آؤ گے تو مارے جاؤ گے۔ اب بھی وقت

ہے، تم اگر چاہو تو یہاں سے جان بچا کر بھاگ سکتے ہو۔

کپتان نے کہا۔

نہیں! میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اپنی قوم کو بدنام نہیں

کروں گا۔ بہادر لوگ مرجایا کرتے ہیں۔ مگر اپنی عزت پر یہ

نہیں لگایا کرتے۔

تم آدمی ہو یا بھوت۔ تم جو کچھ بھی ہو میں تمہارا مقابلہ

کروں گا۔ اگر میری قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو میں

لڑتے لڑتے تمہارے ہوں گا۔

یہ کہہ کر کپتان نے آگے بڑھ کر عزیز پر حملہ کر دیا۔ عزیز نے

جوابی حملہ کرنے کی بجائے کپتان کے حملوں کو روکنا شروع کر

دیا۔

مگر آخروہ کب تک حملے کو روکے جاتا۔ وقت گزر رہا تھا۔ انہیں جہاز لے کر آگے بھی جانا تھا۔ چنانچہ عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ جہاں کہیں بھی ہو اوپر جہاز پر جا کر ماریا سے کہو کہ تیاری کرے۔ میں اس احمق اور بہادر کپتان کو ٹھکانے لگا کر ابھی آ رہا ہوں۔“

ناگ نے آواز دی۔

”بہت اچھا بھائی!“ میں جہاز پر جا رہا ہوں۔

کپتان بڑا سٹ پٹایا کہ یہ کون بھوت لوگ ہیں۔ اس نے چیخ ماکر عنبر کی گردن پر پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ اسے یقین تھا کہ عنبر کی گردن کٹ کر دور جا گرے گی مگر گردن تو اپنی جگہ قائم رہی۔

ہاں کپتان کی تلوار ضرور ٹوٹ کر ریت پر گر پڑی۔ عنبر آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے کپتان کا کام تمام کر دیا۔ اب وہ تیزی سے جہاز کی طرف بڑھا۔

اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اسے خطرہ اس سپاہی سے تھا جو بھاگ گیا تھا، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ وہ شہر سے دوسری فوج لے کر آ جائے اور سپاہی آگ برسانے والے تیر چلا کر جہاز کو آگ لگا دیں، کیونکہ عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کو آگے سے نہیں بچا سکتے تھے۔

ناگ پہلے ہی جہاز پر پہنچ چکا تھا۔ عنبر بھی پہنچ گیا۔ ماریا عرشے پر کھڑی یہ سادی لڑائی مار کٹائی دیکھ رہی تھی۔ عنبر نے جاتے ہی کہا۔

”لنگراٹھا کریا دبان کھول دو۔“

چوکی پر سے کوئی ساٹھ ستر کے قریب سپاہی آگ برسانے والے تیر اور نیزے لے کر اٹھ دوڑے۔

جس وقت سپاہیوں کا یہ دستہ سمندر کے کنارے پہنچا عنبر کا جہاز آہستہ آہستہ سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ سپاہی کشتیوں میں بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

جہاز کی رفتار ذرا کم تھی جبکہ کشتیاں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ عنبر اور ناگ اور ماریا نے بھی فوج کے ایک دستے کو آگے بڑھتے دیکھ لیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”یہ لوگ ضرور آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔“

عنبر نے کہا۔

ناگ نے لنگر کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ماریا اور عنبر نے مل کر بادبانوں کو کھول دیا۔ بادبانوں میں ہوا بھری اور جہاز نے کھلے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”جہاز کی سمت خلیج کے اندر کی طرف کر دو۔“

ناگ نے قطب نما پر جا کر چرخہ گھمائی اور جہاز کی سمت کو ٹھیک راستے پر لگا دیا۔ جہاز آہستہ آہستہ کھسک رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوائیادہ تیز نہیں تھی۔

دوسری طرف بھاگے ہوئے سپاہی نے چوکی پر جا کر شور مچا دیا کہ جہاز پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے۔ سارے سپاہی قتل ہو گئے ہیں۔

صرف کپتان ابھی تک اکیلا لڑ رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ

”اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم اس کا جواب دیں گے۔“

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سپاہیوں نے جہاز پر آگ کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔

آگ کے تیر جہاز کے بادبانوں کی طرف اڑاڑ کر آ رہے تھے۔ ابھی تک ایک بھی تیر بادبان کو نہیں لگا تھا۔

ناگ نے کہا۔

عنبر! اگر ایک بھی تیر بادبان کو لگ گیا تو سارے بادبان جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

ہمارا جہاز سمندر میں رک جائے گا اور یہ لوگ ہمارے جہاز اور خزانے پر قبضہ کر لیں گے۔

ماریا نے کہا۔

”ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنے سپاہیوں کا بدلہ لینے کے لیے

ہمارے سارے کے سارے جہاز کو آگ کے حوالے کر

دیں۔ پھر ہمارے لیے جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔“

عنبر نے کہا۔

”ناگ کیا تم ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتے ہو؟“

ناگ یوں۔

عنبر بھائی۔ میں زیادہ سے زیادہ سانپ بن کر حملہ کر سکتا

ہوں مگر اتنی ساری فوج کو کہاں مار سکوں گا۔ پھر پرندہ کر بھی

اگر ان کے سر پر اڑوں تو ان کے اگنی تیسر میرا بھی خاتمہ کر

دیں گے۔ اس کے علاوہ میں بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر بھائی! خدا کے لیے کچھ جلدی سے کرو۔ دیکھو

آگ والے تیر بادبانوں کے قریب سے ہو کر گزر رہے

ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ ابھی تک ان بادبانوں کو آگ کیوں نہیں لگی۔“

عزیز پر اب ساری بات آن پڑی تھی۔ اب جو کچھ کرنا تھا۔ اسی کو کرنا تھا نہیں تو سارے جہاز کو آگ لگنے والی تھی۔ عزیز نے کاہ۔

”اگر یہ بات ہے تو میں ہی کوشش کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر عزیز جہاز کے عرشے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا لیے۔

خدا جانے آنکھیں بند کر کے اس نے کس کو آواز دی؟ کو سا منتر پڑھا؟ کس کی مدد لی کہ جونہی اس نے ہوا میں اپنے

ہاتھوں کو اوپر کر کے لہرایا، آسمان پر جانے والے اگنی تیسرے سارے کے سارے ایک ساتھ سمندر میں گرنا شروع ہو

گئے۔

کشتیوں میں سے جتنے تیر چلائے جاتے، سارے کے سارے سمندر میں گر پڑتے۔

سپاہیوں نے عزیز کو جہاز کے جنگلے پر کھڑا دیکھ کر اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ آگ میں لہراتے ہوئے تیر عزیز کے قریب آئے۔

عزیز نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔

آگ میں جلتے تیر ایک ایک کر کے واپس گئے اور انہوں نے سپاہیوں میں گر کر نہ صرف انہیں زخمی کر دیا بلکہ ایک دو کشتیوں میں آگ بھی لگا دی۔

اس کے ساتھ ہی کشتیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سپاہیوں نے تیر برسانے بند کر دیئے مگر تینوں کشتیوں میں شعلے بھڑک

اٹھے تھے۔ اور بیس پچیس سپاہی تیر لگنے سے مر چکے تھے۔

کتنے ہی زخمی ہو گئے تھے۔

ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔

”واپس بھاگو! یہ بھوتوں کا جہاز ہے۔ وہ دیکھو جہاز

پر ایک بھوت دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے۔“

سپاہی سارے کے سارے خوف زدہ ہو رہے تھے۔

انہوں نے کشتیوں کو موڑ لیا اور بڑی تیزی سے چپو چلاتے

بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا تھا۔ ناگن

نے کہا۔

”میدان مار لیا، ہم نے غبر بھائی۔“

غبران کی طرف مڑا تو انہوں نے دیکھا کہ غبر کا چہرہ سیاہ

پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے سبز رنگ کا پانی ٹپک رہا

تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔

”یہ کیا ہوا غبر بھائی؟“ نہیں تو کبھی کچھ نہیں ہوا تھا؟“۔

غبر نے تکلیف سے سانس لیتے ہوئے کہا۔

”میں نے جو جادو کیا ہے، یہ اس کا اثر مجھ پر پڑ گیا ہے۔

میں اسی لیے جادو کبھی نہیں کیا کرتا مگر یہاں مجبور ہو گیا۔ اب

یہ تکلیف سہنی ہی پڑے گی۔“

ماریا نے کہا۔

”میرے بھائی! تم نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی؟“۔

غبر نے سسکا کر کہا۔

ماریا بہن! اگر میں یہ تکلیف نہ اٹھاتا تو اس وقت جہاز پر

آگ لگ چکی ہوتی مگر تم فکر نہ کرو، یہ تکلیف صرف دو تین

دن رہے گی۔

کہ دن چڑھتے ہی آسمان پر بادل جمع ہونے لگے تھے۔
بادلوں کی وجہ سے ہوا چلنے لگی تھی۔

عزیز کو سخت تکلیف تھی۔ اسے زندگی میں پہلی بار تکلیف ہو
رہی تھی۔ سارا دن وہ تکلیف سے ہائے ہائے کرتا رہا اور اس
پر غشی سی طاری رہی۔

رات کو بھی وہ دور سے تڑپتا رہا۔ اگلے روز اس کی طبیعت
سنبھل گئی۔ ماریا اور ناگ اس کے پاس بیٹھے اس کی خدمت
کرتے رہے۔ عزیز نے آنکھیں کھول کر کہا۔

”تم لوگوں نے میری بڑی تیمارداری کی ہے۔ خدا کا شکر
ہے کہ کالے جادو کا اثر اب دفع ہو گیا ہے۔ اب تم لوگ جا کر
آرام کرو۔“

ماریا نے کہا۔

جادو کا اثر کم ہوتے ہی تکلیف دور ہو جائے گی۔ یہ سب
سے خطرناک جادو تھا۔ میں نے بھوتوں کے بادشاہ کی مدد لی
تھی۔ اس نے مجھ سے قیمت وصول کر لی، اب مجھے یہ قیمت
ادا کرنی ہوگی۔

ناگ اور ماریا عزیز کو لے کر نیچے کیبن میں آ گیا۔ عزیز کو
ایک صاف ستھرے قالین کے بستر پر لٹا دیا گیا۔ عزیز نے اسے
کہا کہ صرف پیاز کا عرق بار بار پلایا جائے۔

جہاز پر پیاز بہت موجود تھا۔ ماریا نے اسی وقت دیکھے
میں پیاز کا عرق نکال کر گرم کیا اور عزیز کو تھوڑی تھوڑی دیر کے
بعد پلانا شروع کر دیا۔

جہاز اب ساحل سے نکل کر کھلے سمندر میں آ گیا تھا۔
آہستہ آہستہ ہوا بھی تیز چلنا شروع ہو گئی تھی۔ شاید اس لیے

پہلے دریائے درجاء ہو جائیں گے۔“

بادلوں کی گرج کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

”نہیں بھائی عنبر! میں تمہارے پاس ہی بیٹھوں گی۔ ایک بہن کو اپنے بھائی کی خدمت کر کے خوشی ملتی ہے۔“

وہ دن بھی گزر گیا۔ رات کو عنبر کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔

اس کے چہرے کی سیاہی بھی دور ہو گئی۔ ہاتھوں کے چھالے بھی مٹ گئے۔

وہ بھلا چنگا ہو کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ ماریا سو گئی تھی۔

ناگ عرشے پر کھڑا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

”شاید طوفان آنے والا ہے۔ مگر ہم لوگ صبح ہونے سے

دریا میں طوفان نہیں تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے، طوفان کا زور کم ہوتا گیا۔ جب وہ دریا کے بیچ میں پہنچے تو بارش ختم گئی اور ہوا کا زور بھی ختم ہو گیا۔

اب وہ دریا میں بڑے سکون کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے مگر نہ تو بارش ہو رہی تھی اور نہ زور دار آندھی کا طوفان چل رہا تھا۔

بادلوں میں کبھی کبھی بجلی چمک جاتی تھی اور ہلکی ہلکی گرج کسی وقت سنائی دے جاتی تھی۔

دریا زیادہ جوڑا نہیں تھا وہ ذرا فاصلے پر دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کناروں پر ریت کے ٹیلے دور دور تک پھیلے تھے۔

کہیں کہیں کھجوروں کے بڑے بڑے جھنڈ تھے۔ غبرنے

مرجلہ کی وادی

ساری رات بارش ہوتی رہی اور بجلی چمکتی رہی۔ دن چڑھا تو سمندر میں بڑی بڑی اٹھ رہی تھیں۔ دریائے دجلہ کا پانی بھی بڑی تیزی کے ساتھ سمندر میں گر رہا تھا، چونکہ ہوا بہت زور سے چل رہی تھی، اس لیے ان کا بادبانی جہاز دریا میں داخل ہو گیا اور اٹنے بہاؤ پر چڑھ کر بھی آگے کو روانہ ہو گیا۔

ناگ اور ماریا سے کہا۔

اس موسم میں کبھی کبھی یہاں بہت سخت بارشیں ہوتی ہیں۔ ہواؤں کے طوفان آتے ہیں لیکن عام طور پر اس کے بعد موسم خشک ہی رہتا ہے۔

تینوں جہاز کے عرشے پر کھڑے دریا کے کنارے کا نظارہ کر رہے تھے۔ بارش کے طوفان کی وجہ سے جہاز کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا تھا۔

صرف بارش کا پانی سیڑھیوں میں سے ہو کر تہ خانے میں چلا گیا تھا۔ جسے عنبر اور ناگ نے مل کر بالٹیوں سے نکال کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ بارش کے تھمتے ہی تیز ہوانے بادبانوں کو خشک کر دیا تھا۔

ان میں ہوا پھولی ہوئی تھی اور وہ جہاز کو لے کر بڑے

سکون کے ساتھ بغداد شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ناگ نے دور ٹیلوں کو دیکھ کر کہا۔

”ان ٹیلوں پر کسی قسم کی کوئی آبادی دکھائی نہیں دے رہی معلوم ہوتا ہے صدیوں سے یہاں پر کوئی آباد نہیں رہا۔“
عنبر بولا۔

یہاں کئی آبادیاں بس کر تباہ ہو چکی ہیں۔ جہاں تمہیں آج ریت کے ٹیلے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہاں کبھی شاہی محل ہوا کرتے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ برباد ہو گئے۔
یہ وادی بڑی بڑی تہذیبوں کو ابھرتے اور فنا ہوتے دیکھ چکی ہے۔

ماریا نے کہا۔

حموربی اور میننی بال نے اسی وادی میں حکومت کی تھی۔

عمر بولا۔

”ہاں۔ میں نے ان کا دور دیکھا ہے۔ ان کے وقتوں میں اسی دریا میں یادبانی جہازوں کی ہر وقت رونق رہا کرتی تھی۔ تجارتی سامان سے لدے ہوئے جہاز یہاں سے ہر وقت گذر کرتے تھے۔“

ناگ نے کہا۔

”کیا خیال ہے، ناگ بھائی ہم کس وقت تک بغداد کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے۔“

عمر نے کہا۔

میرا اندازہ ہے کہ ہمیں صرف آج کا دن اور آج کی رات ہی اس جہاز پر بسر کرنی ہوگی۔ کل کسی وقت ہمارا جہاز بغداد کی بندرگاہ میں داخل ہو جائے گا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمیں بغداد کی بندرگاہ میں داخل ہونی بھی چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ بغداد میں ارچنگ گورنر سے بڑھ کر ظالم اور سنگدل ایٹلانے تیاہی پھیلا رکھی ہے۔ لیکن وحشی قوم نے بندرگاہ پر بھی قبضہ ہمارا کھا ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

”پھر تو ہو سکتا ہے کہ بغداد کی بندرگاہ پر پہنچ کر چنگیزی وحشی قوم کے سپاہی ہمارے جہاز پر بھی قبضہ کر لیں۔ ساتھ ہی ساتھ خزانہ بھی ان لٹیروں کے قبضے میں چلا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک بلا سے بچ کر نکلے تھے کہ دوسری بلا کے منہ میں جا کر پھنس جائیں گے۔“

ناگ نے کہا۔

”تو پھر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے عمر بھائی؟“

عنبر نے سوچ کر کہا۔

”یہ درست ہے کہ ہمیں جہاز کو ساتھ لے کر بندرگاہ میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے، کیونکہ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہمارے جہاز پر اٹھلا کے وحشی سپاہی اسی وقت قبضہ کر لیں گے، بلکہ ہمیں قتل کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔“

ماریابولی۔

”ان حالات میں تو میرا خیال ہے کہ ہمیں یہیں کسی جگہ جہاز کو دریا میں لنگر ڈال کر کھڑا کر دینا چاہیے۔ بندرگاہ سے ہم جس قدر دور ہوں گے ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔“

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟“

ناگ نے کہا۔

”بھائی! اس معاملے میں ہم صرف تمہاری رائے پر ہی عمل کریں گے، کیونکہ تم اس علاقے سے زیادہ واقف ہو اور تم اس قوم کو بھی اچھی طرح جانتے ہو جس سے ہمارا واسطہ پڑ رہا ہے۔“

عنبر نے کہا۔

”تو پھر ہمیں آج آدھی رات کو اپنا جہاز دریا میں لنگر ڈال کر کسی جگہ کھڑا کر دینا چاہیے، کیونکہ ہمیں بندرگاہ سے زیادہ فاصلے پر بھی کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔“

”بہتر ہے۔“

ان کا جہاز دریا میں سارا دن چلتا رہا۔ شام ہونے تک بادل چھپ گئے اور مغرب میں سورج غروب ہونے لگا تو ہر

طرف اس کی سرخ روشنی پھیل گئی۔

صحرا کی ریت اور دریا کی لہریں سرخ ہو گئیں ماریا اور ناگ نے اس قدر خوبصورت نظارہ پہلے کہاں دیکھا تھا۔ وہ خوش ہو کر جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو گئے اور عنبر سے ان درختوں اور ٹیلوں کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جن کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔
عنبر نے کہا۔

ان ٹیلوں کے پیچھے میرا خیال ہے، کچھ نہ کچھ آبادی شروع ہو جائے گی۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے وقت میں بادشاہ اور حکومتیں تو بڑی بڑی گزری ہیں اور گزر رہی ہیں مگر آبادیاں بہت کم ہیں۔ لوگ کہیں کہیں گاؤں بنا کر رہے ہیں۔ بہر حال

بغداد میں تمہیں زیادہ لوگ نظر آئیں گے۔

ناگ نے کہا۔

”وہاں تو اٹھلا نے تباہی مچا رکھی ہے۔ وہاں اب لوگ

کہاں ہوں گے۔“

عنبر بولا۔

”ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس تباہی نے آبادی پر برا اثر

ڈالا ہوگا۔ تو لوگ شاید کہو کہ ہم کوئی اچھے وقت پر اس شہر میں

داخل نہیں ہو رہے مگر میں کہوں گا کہ اگر کسی ملک یا کسی

تہذیب کو سچی حالت میں دیکھنا ہو تو اسے اس وقت دیکھو

جب وہ تباہی میں سے گزر رہی ہو۔“

ماریا ہنس پڑی۔

عنبر بھائی! تمہاری ہر بات عجیب ہوتی ہے، ناگ اور عنبر

بھی مسکرانے لگے۔

رات چھا گئی۔ انہوں نے عرشے پر چراغ جلا کر کھانا کھایا۔ پھر وہ سو گئے۔ آدھی رات کے قریب غبر کی آنکھ اپنے آپ کھل گئی۔

اس نے ناگ اور ماریا کو بھی جگا دیا۔ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ غبر نے انہیں بتایا کہ یہی وقت جہاز کو کسی اچھی سی جگہ پر کھڑا کرنے کا ہے۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔

ستارے چمک رہے تھے۔ ان کی روشنی میں صحرائی ٹیلے اور کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ صاف نظر آ رہے تھے۔ اب ٹیلے ان کے قریب سے ہو کر گزر رہے تھے۔ دریا کا پاٹ بھی پہلے سے زیادہ چھوٹا ہو گیا تھا۔

غبر نے کہا۔

”ہمیں ایک طرف کر کے جہاز کو کھڑا کرنا ہوگا، کیونکہ ہو سکتا ہے۔ بچ میں کھڑا کرنے سے کسی دوسرے جہاز سے اس کی لکر ہو جائے۔“

ماریا نے کہا۔

”مگر مجھے تو یہاں کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا؟“

غبر بولا۔

”اس لیے کہ مسلمانوں کے سارے جہازوں پر اٹیلانے قبضہ کر رکھا ہوگا۔ یہ شخص صحرا کا وحشی ڈاکو اور لٹیرا ہے۔ اسے کیا خبر کہ بادبانی جہاز کیا ہوتا ہے اور اس سے کس طرح سمندر میں تجارتی کی جاتی ہے۔“

ناگ بولا۔

”تو پھر یہیں کسی جگہ پر روک دیتے ہیں۔“

عنبر نے کہا۔

”نہیں! ایسے نہیں! ذرا دم لو۔ مجھے غور کر لینے دو۔“

جہاز دریا کے ساتھ ہی دائیں جانب کو ایک موڑ گھوم گیا۔ آگے جا کر انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف سے دریا کا پانی کنارے کو توڑ کر بائیں جانب نکل گیا تھا۔

وہاں ایک جھیل سی بن گئی تھی۔ اس جھیل میں بڑی اونچی اونچی گھاس اور دریائی جھاڑیاں اگی تھیں۔ اس جھیل کو دیکھ کر عنبر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

”خدا نے ہماری مدد کی ہے۔ یہ جھیل بڑی اچھی ہے۔ ہم یہاں پر اپنے جہاز کو جب تک چاہیں کھڑا کر سکتے ہیں۔“

ناگ بولا

”لیکن عنبر اس جھیل میں دریائی گھاس بے شمار اگی ہوئی

ہے۔ کہیں ہمارا جہاز اس میں پھنس نہ جائے۔“

عنبر نے کہا۔

”نہیں! ایسا نہیں ہوگا۔ یہ نرسل کی گھاس نہیں ہے جو بیل کی طرح سے جہاز کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ یہ معمولی دریائی گھاس ہے۔ یہ جہاز کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہم بڑی آسانی اور اطمینان کے ساتھ جہاز کو یہاں کھڑا کر سکتے ہیں۔“

ناگ نے کہا۔

”میرے خیال میں عنبر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس سے اچھی جگہ ہمیں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ یوں لگتا ہے قدرت نے یہ جھیل ہمارے جہاز کے لیے بنائی ہے۔“

کیوں نہیں۔ اب ہمیں بڑی ہوشیاری سے جہاز کو جھیل

میں داخل کرنا ہوگا۔

ناگ تم بادبانوں کی رسی پکڑ کر ان کا رخ ذرا بائیں کو کر دو۔ میں جہاز کی چرخی پر کھڑا ہوتا ہوں۔

ناگ نے رسی کھول کر اسے کھینچ کھینچ کر بادبانوں کا رخ بائیں طرف کر دیا۔

ہوائے بائیں طرف کو ہو کر بادبانوں پر بوجھ ڈالا تو جہاز بائیں کنارے کی طرف گھومنے لگا۔ عنبر نے چرخی کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا۔ پانی کا دباؤ بھی بائیں طرف کو ہو گیا۔

اس تمام کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاز بڑے آرام سے بائیں کنارے کی طرف ہو کر جھیل کے ساکن پانی میں داخل ہو گیا۔ دریائی گھاس جہاز کے نیچے دبے لگی۔ جہاز گھاس کو

چیرتا ہوا جھیل میں بڑھنے لگا۔

عنبر نے حکم دیا کہ بادبانوں کو پلیٹ دیا جائے۔ کیونکہ جہاز اپنے بوجھ سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر بادبان بھی کھلے رہتے تو جہاز کو اگلے کنارے کے ساتھ ٹکرا جانے کا خطرہ تھا۔ ناگ نے اسی وقت بادبانوں کی رسیاں کھول دیں۔ رسیوں کے کھلتے ہی جہاز کی رفتار بے حدست ہو گئی۔ ناگ نے بادبانوں کو پلیٹنا شروع کر دیا۔

عنبر نے لنگر کھول کر جھیل میں پھینک دیا۔

لنگر جھیل کے اندر جا کر تہہ کی گھاس اور دلدل میں ایک دم کھب گیا اور جہاز وہیں رک گیا۔ انہوں نے جلدی جلدی جہاز کے عرشے پر سے بستر اور دوسری چیزیں اٹھا کر تہہ خانے میں جا کر بند کر دیں۔ اب سب سے بڑا مسئلہ خزانے

کے صندوق کا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”اس جہاز میں خزانے کو چھوڑ کر جانا اسے خود لٹیروں

کے ہاتھ میں دے دینے کے مترادف ہے۔ میرا خیال ہے کہ

ہمیں اسے نکال کر کسی ٹیلے کے پاس دبا دینا چاہیے۔“

عزبر نے کہا۔

”خیال تو ٹھیک ہے مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحرا میں

جب شمال کی تیز ہوا چلتی ہے تو ریت کے ٹیلے بھی اڑ جاتے

ہیں۔ اس جگہ کا ٹیلہ اڑ کر دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔“

”پھر خزانے کو کس جگہ رکھیں؟“

ماریا نے پوچھا۔

عزبر نے کہا۔

ایک بات تو طے ہے کہ خزانے کو ہم جہاز میں نہیں رکھیں

گے۔ اگر لٹیروں جہاز کو لے جاتے ہیں تو بے شک لے

جائیں، کیونکہ جہاز کو ہم خشکی میں اپنے ساتھ لے کر نہیں پھر

سکتے۔

کیونکہ اگر ہم نے خزانے کو جہاز میں چھوڑا تو یہ بچ نہ

سکے گا۔ آج کل اس علاقے میں چنگیزی لٹیروں کا دور دورہ

ہے اور یہ وہ قوم ہے کہ ایک ایک کوڑی کی خاطر لوگوں کو قتل

کرتی پھرتی ہے۔

انہوں نے نہ تو خوش حالی دیکھی ہے اور نہ اتنی دولت کبھی

دیکھی تھی جیسی کہ ان مسلمانوں کے علاقوں میں ہے۔

بہر حال خزانے کو یہاں سے نکال کر ساتھ لے چلتے ہیں۔

پھر کسی نہ کسی جگہ اسے چھپا کر رکھ لیں گے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں خزانہ لاد کر بیٹھ گئے اور کشتی جھیل میں دریائے گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتی کنارے پر پہنچ گئی۔

کنارے پر آ کر انہوں نے کشتی کو جھاڑیوں اور گھاس میں ایک جگہ اچھی طرح سے چھپا دیا۔ غیر نے خزانے کے صندوق کو سر پر اٹھایا اور وہ ستاروں کی روشنی میں بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

صحرا میں ریت بڑی خوشگوار تھی۔ بارش نے ریت کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ پچھلے پہ کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ایب سب سے بڑی پریشانی خزانے کے صندوق کو کسی محفوظ جگہ پر چھپانے کی تھی۔ ریت کے ٹیلوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ناگ نے کہا۔

اگر وہ کسی جگہ ریت میں خزانے کو دفن کر کے اوپر کسی پتھر کا نشان رکھ دیں تو بہتر ہوگا۔

عبر نے کہا۔

”یہاں پتھر کہیں نہیں ملے گا۔ ریت میں دبا ہوا خزانہ کھو جائے گا جب ہم دوبارہ اسے تلاش کرتے آئیں گے تو وہ ہمیں بھی نہیں ملے گا۔“

ماربانے کہا۔

”تو پھر اسے کسی جگہ دبائیں۔ یہ خزانہ تو ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے۔“

ناگ بولا۔

”لاؤ بھائی اب میں صندوق کو اٹھالیتا ہوں۔“

عبر نے کہنے لگا۔

”نہیں! اسے میرے پاس ہی رہنے دو اصل بات یہ یہ کہ
اسے کس جگہ دفن کریں۔ سر پر اٹھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔
چاہے تو اٹھاؤ۔ چاہے میں اٹھا لوں۔“

عبر کے سر سے خزانے کا صندوق لے کر اپنے سر پر
رکھتے ہوئے ناگ نے کہا۔

”کچھ بھی ہو، میں چھوٹا بھائی ہوں۔ میں آپ کو زحمت
نہیں دے سکتا۔“

وہ صحرا کی ٹھنڈی ریت پر کافی دور نکل گئے۔ ایک ٹیلے کا
چکر کاٹ کر وہ سامنے آئے تو اچانک انہیں ایک پرانے محل کا
کھنڈر سا نظر آیا۔
عبر نے کہا۔

”بس کام بن گیا۔“

”کیا مطلب؟“۔ ماریا نے پوچھا۔
میرا مطلب ہے کہ خزانہ چھپانے کی جگہ مل گئی ہے۔
عبر نے کہا۔

ناگ نے پوچھا۔
”وہ کہاں ہے؟“۔

عبر نے کہا۔

”یہ سامنے والے کھنڈر دیکھ رہے ہو؟ ہم خزانے کو اس
کھنڈر میں دفن کریں گے۔“

یہ کھنڈر آج سے تین چار ہزار سال پہلے کے کھنڈر ہیں۔
ان کے پتھر بڑے سخت ہیں۔ انہیں آندھیاں اور طوفان بھی
اپنی جگہ سے نہیں ملا سکتے۔ آؤ میرے ساتھ۔

عنبر، ناگ اور ماریا کو لے کر کھنڈروں میں آ گیا۔ یہ کسی پرانے شاہی محل کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر تھے۔ دیواریں گر چکی تھیں۔

ستون بھی گرے ہوئے تھے۔ ہر طرف اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ خزانے کے صندوق کو انہوں نے پتھروں کے پاس رکھ دیا۔

عنبر نے اٹھ کر ارد گرد ہر شے کو بڑی جانچ پڑتال کر کے دیکھا۔ آخر اسے ایک جگہ پسند آ گئی۔ یہاں سرخ پتھروں کی سلیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ایک ڈھیری کے پاس جا کر رک گیا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

”ہم خزانے کو اس جگہ دفن کریں گے۔“

انہوں نے سرخ پتھر کی سلوں کو اکھاڑنا اور ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد وہاں ایک گہرا گڑھا بن گیا۔ عنبر نے ناگ کے ساتھ مل کر خزانے کے صندوق کو اس گڑھے میں رکھا۔

ڈھکن کھول کر کچھ سونے کی اشرفیاں تھیلے میں ڈالیں، ڈھکنا بند کیا اور صندوق کے اوپر پتھر چن دیئے پھر انہوں نے اوپر ریت ڈال کر دوبارہ اوپر پتھروں کی سلیں رکھ دیں۔

اب دیکھنے سے وہ ایک کھنڈر کی ڈھیری لگ رہی تھی۔ کسی کو ذرا سا بھی وہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں خزانہ دفن ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر چلنے ہی والے تھے کہ اچانک ہرے رنگ کا خوفناک سانپ پھٹکار مار کر اپنا بھن

پھیلائے عطر کے سامنے آ گیا، یہ ایک بڑا ہی زہریلا صحرائی
سانپ تھا۔

ناگ کچھ آگے آگے چل رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ
ہی تھی۔ سانپ نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر مسکرایا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سانپ پھٹکاروں پر
پھٹکاریں مار رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی لال زبان نکال رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔

عنبر نے ناگ کو بالکل آواز نہ دی۔
وہ سانپ کے حملے سے یونہی جھوٹ موٹ بچ گیا۔

سانپ نے دوبارہ عنبر پر حملہ کر دیا اس بار سانپ نے عنبر
کے بازو پر ڈس دیا۔

عنبر نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ اب جو ناگ اور

ماریا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عنبر کے ہاتھ میں سانپ تھا۔ ناگ
بھاگ کر عنبر کے پاس آن آیا۔

”عنبر بھائی! یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟“
عنبر بولا۔

”یہیں کہیں سے نکل کر آ گیا ہے۔ اس نے میرے
بازو پر ڈس بھی دیا ہے۔“

”اس کی یہ ہمت۔ یہ جرات؟“ ناگ نے غصے
سے کہا۔

عنبر بولا۔ ”معلوم ہوتا ہے یہ ہم سے بے خبر ہے۔“
ناگ نے کہا۔ ”لائیے اسے مجھے دے دیں۔“

اب سانپ کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے
ناگ دیوتا کے حضور میں کھڑا ہے۔ اس نے اپنی گردن جھکا

جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور جنگل کے کسی کونے میں لیٹ
 کر ایک انوکھے انسان کے زہر سے مر جاؤ۔
 عنبر نے سانپ کو پھینک دیا۔

دی تھی۔
 ناگ نے سانپ کی گردن پر زور سے تھپڑ مار کر کہا۔
 ”کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں بھی اس جنگل میں چل
 رہا ہوں۔“

سانپ نے مردہ سی آواز میں کہا۔
 اے سانپوں کے دیوتا! میری جان بخشی کر دیں۔ میں
 نے کسی ایسے انسان کو ڈس دیا ہے کہ جس کے خون کا زہر خود
 مجھے ہلاک کر رہا ہے۔

”میری حالت پر رحم کریں اور مجھے بچالیں۔“
 ناگ بولا۔

میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم جیسے سانپوں کو بچانا اپنے ساتھ
 خود زیادتی کرنے کے برابر ہے۔

کیا ہو رہا ہے۔

وہ سارا دن ریت پر چلتے رہے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔
اگر دھوپ ہوتی تو صحرا کی گرمی میں وہ زیادہ دیر تک نہیں چل
سکتے تھے۔ شام کے وقت وہ ایک جگہ ریت کے ٹیلوں کے
پاس کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

غبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں اسی جگہ رات بسر کر لینی چاہیے
کیونکہ یہاں سے بغداد شہر ابھی دو روز کے سفر پر ہے۔“

غبر کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے۔ ہم پیدل دو روز کا سفر اس صحرا میں
نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، کل موسم کھل جائے اور
دھوپ نکل آئے۔ پھر صحرا کی گرمی ہم سے برداشت نہیں ہو

تالاب والا گاؤں

سانپ زمین پر گرتے ہی تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

تینوں بہن بھائیوں نے اب وادی دجلہ میں اپنا سفر
شروع کر دیا۔ ان کی منزل شہر بغداد تھی۔

بغداد جہاں ہن قوم کے وحشی سرداروں نے ہر طرف
تباہی پھیلا رکھی تھی۔ شہر کی کیا حالت ہے؟ انہیں بالکل کوئی خبر
نہیں تھی۔ اب تو انہیں وہاں جا کر ہی پتہ چل سکتا تھا کہ وہاں

سکے گی۔“

ماریا نے کہا۔

”میرا تو تحکم کے بارے اب بھی برا حال ہو رہا ہے۔“

عبر نے کہا۔

”یہاں آس پاس کوئی گاؤں بھی نہیں ہے۔ جہاں سے

ہم اونٹ خرید سکیں۔ بہر حال رات یہاں بسر کرتے ہیں۔

کل صبح دیکھیں گے کہ کیا ہو سکتا ہے۔“

وہ رات انہوں نے کھجوروں کے جھنڈ میں بسر کر دی۔

دوسرے دن دھوپ نکل آئی اور ریت ایک دم گرم ہو گئی۔ اس

کی وجہ سے گرمی بڑھ گئی۔

انہیں تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی پسینے آ گئے۔ ماریا کا تو

گرمی کے مارے برا حال ہو گیا۔ عبر بھی پریشان ہو گیا۔

مگر صحرا میں وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

”میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم کو کچھ دور سفر کرنا چاہیے۔ ہو سکتا

ہے، آگے کوئی گاؤں مل جائے، کیونکہ اب مجھے امید ہے کہ

کوئی نہ کوئی گاؤں ضرور آ جائے گا۔“

ماریا نے کہا۔

”کم بخت ادھر سے کوئی قافلہ بھی نہیں گزر رہا۔ کوئی ایسا

صحرائی راستہ بھی نہیں ہے۔ جہاں سے قافلے گزرتے

ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔“

ناگ کہنے لگا۔

کیوں عبر بھائی، کہیں سچ مچ ہم راستہ تو نہیں بھول

گئے؟“

عبر نے کہا۔

ایک گھنے جنگل میں ایک گاؤں نظر آ رہا تھا۔ ماریا کی جان میں آئی۔

عزیز نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔
 ”خدا کا شکر ہے کہ گاؤں کی صورت نظر آئی۔“
 ماریا نے مسکرا کر کہا۔

”میں نے خدا سے دعا مانگی تھی۔ خدا نے میری دعا سن لی ہے۔“

عزیز نے کہا۔

”اب تم جو کچھ کہو۔ بہر حال یہ تو گاؤں میں چل کر پتا چلے گا کہ اس گاؤں میں غریب عرب مسلمان رہتے ہیں یا اس گاؤں پر بھی چنگیزی وحشیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔“
 ماریا نے جلدی سے کہا۔

”جہاں تک میرا خیال ہے، ایسی فکر کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم راستہ نہیں بھولے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم کسی ایسے راستے پر سفر نہیں کر رہے جہاں سے قافلے گزرتے ہوں مگر ہم غلط راستے پر بھی نہیں جا رہے۔“
 ماریا بولی۔

”میں تو گرمی کے مارے پریشان ہو گئی ہوں۔ میرا سانس پھول رہا ہے۔ مجھ سے اب آگے نہیں چلا جا رہا۔“
 عزیز نے کہا۔

”وہ سامنے والا جو ٹیلا ہے، میرا خیال ہے، اس کے پیچھے ضرور کوئی شہ کوئی گاؤں ہوگا۔ کسی طرح سے اس ٹیلے تک چلی چلو۔“

ماریا مجبوراً چلتی رہی۔ ایسا ہی ہوا جیسا کہ عزیز کا خیال تھا

”خدا نہ کرے کہ اس گاؤں پر وحشیوں کا قبضہ ہو۔“

ناگ کہنے لگا۔

”اس کا فیصلہ تو گاؤں میں جا کر ہی ہوگا۔“

تینوں مسافر جلدی جلدی ریت پر چلتے ہوئے گاؤں کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ گاؤں ایک چٹمے کے کنارے تھا۔ چٹمے کا پانی تالاب کی شکل میں جمع تھا جس کے چاروں طرف کھجور کے سرسبز و شاداب درخت کھڑے صحرائی ہوا میں جھوم رہے تھے۔

گاؤں کے مکان کچے تھے۔ کہیں کہیں کچھ پرانے قسم کے پھٹے پرانے خیمے بھی لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ تالاب پر بکریاں پانی پی رہی تھیں سامنے درختوں میں کچھ عرب بدو بیٹھے آپس میں باتیں کر

رہے تھے۔

عزبر نے کہا۔

”یہ گاؤں آیا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کوئی ہن وحشی

سپاہی دکھائی نہیں دے رہا۔ معلوم ہے یہاں امن و امان ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”پھر بھی ہمیں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ میرا خیال

ہے ہم لوگ اسی جگہ ٹھہرو میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ گاؤں کن لوگوں کا ہے اور آگے کیا صورت حال ہے؟“

عزبر کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے ہمیں یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں

ہے۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔ ماریا تو ہمارے ساتھ نہ

ہونے کے برابر ہے۔ اس کو تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔“

تالاب کے کنارے پہنچ کر انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا۔

تازہ دم ہو کر وہ ان پرانے خیموں کے پاس آ گئے جہاں تین بوڑھے بوڑھے عرب بدو درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

انہوں نے ناگ اور عنبر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھی خاموشی سے تکتے لگے۔ قریب جا کر عنبر اور ناگ نے جھک کر سلام کیا تو ایک بوڑھے بدو نے کہا۔

کیا تم بت پرست ہو جو جھک کر سلام کرتے ہو؟ ہمارے اسلام میں کسی کے آگے جھک کر سلام نہیں کیا جاتا۔

عنبر نے کہا۔

”ہم بت پرست نہیں ہیں۔ بابا! ہم خدا پرست ہیں۔“

عرب بولا۔

”اگر تم خدا کی پرستش کرتے ہو تو پھر کسی انسان کے

آگے جھکنا چھوڑ دو۔ صرف خدا کے آگے جھکو۔“

عنبر بولا۔

”بہت اچھا بابا! ہم آئندہ سوائے خدا کے اور کسی کے

آگے نہیں جھکیں گے۔“

دوسرے عرب بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

”شاباش میرے بچو! تم بڑے نیک نوجوان ہو۔ یہ بتاؤ

کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟“

عنبر نے کہا۔

”ہم ملک ہندوستان سے آئے ہیں اور بغداد جانا

چاہتے ہیں۔“

تیسرا عرب بدو چونک کر بولا۔

”بغداد؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بغداد میں تو ہر طرف رعایا کا قتل عام ہو رہا ہے؟ وہاں سے تو لوگ بھاگ کر چلے گئے ہیں۔“

عزیز نے کہا۔

”بابا! ہم نے مسلمانوں کی ایمانداری اور نیکی کی بڑی تعریف سنی تھی۔ ہم بغداد میں مسلمانوں سے ملنے کا شوق لے کر جا رہے ہیں۔“

پہلا عرب بدو کہنے لگا۔

”میرے بچو! آپہلے کچھ کھاپی لو، پھر باتیں ہوں گی۔“

عرب بدوؤں نے مسلمانوں کی مشہور مہمانداری سے

کام لیتے ہوئے وہاں غریبانہ سہی مگر دسترخوان لگا دی۔ ا کھانے پر خشک روٹی کھجوروں کا دلیہ۔ کھجوروں کا مربہ اور اونٹ کے کباب تھے۔

ناگ اور عزیز نے خوش ہو کر کھائے اور عربوں کی مہمانداری کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ اس عرصے میں ناگ نے کچھ کباب چوری چوری ماریا کو بھی دے دیئے جو اس کے پیچھے ہی بیٹھی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر عرب بدو نے کہا۔

میرے بچو! بغداد اس وقت چانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کاش تم نے ایک برس پہلے بغداد میں آ کر دیکھا ہوتا کہ وہ کتنی ترقی پر تھا۔

اب تو چنگیز خان کے بیٹے کی وحشی فوجوں نے وہاں تباہی

مچا دی ہے۔ اب تم لوگ وہاں کیا کرنے جا رہے ہو۔ میری مانو تو یا واپس چلے جاؤ اور یا ہمارے گاؤں رہ کر حالات کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرو۔

ناگ بولا۔

”مگر باباجی! ہم گھر سے پکارا ارادہ کر کے نکلے ہیں کہ چاہے جان چلی جائے، بغداد شہر کی سیر ضرور کریں گے۔“
دوسرا عرب کہنے لگا۔

نوجوان! میں تمہارے ارادے کی قدر کرتا ہوں، لیکن وہاں تم کس سے جا کر ملو گے۔ بغداد کا مسلمان خلیفہ ظالم اشیلا کی قید میں ہے۔

ان کے بچے بھی قید میں ہیں۔ شہر سے کافی لوگ بھاگ گئے ہیں۔ سپاہیوں نے وہاں بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔

کیا تم وہاں تباہی دیکھنے جا رہے ہو؟

تیسرا عرب بدو بولا۔

”اور اگر تم وہاں پہنچ بھی گئے تو ہن وحشی تمہیں بھی پکڑ کر قتل کر دیں گے۔ وہ کسی مسافر کو زندہ نہیں چھوڑتے، کیا تمہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے؟“
عبر نے کہا۔

”باباجی!“ چاہے آپ ہمیں کتنا ہی منع کیوں نہ کریں، ہم بغداد ضرور جائیں گے۔ اس لیے کہ ہم نے پکا فیصلہ کر رکھا ہے۔
بدو نے کہا۔

”اگر تم لوگوں نے دل میں ٹھان رکھی ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ تم ضرور جاؤ۔ ہم تمہاری زندگی کے لیے خدا

کے لیے خدا سے دعا کریں گے۔“

عزبر نے کہا۔

ہم تین تیز رفتار اونٹ خریدنا چاہتے ہیں۔ کیا تمہیں یہاں

اونٹ مل جائیں گے؟

”کیوں نہیں۔ ہمارے پاس ایسے کئی اونٹ ہیں، صحرا

میں بہت تیز دور تے ہیں اور جنہیں ہم بیچنا بھی چاہتے

ہیں۔“

اسی وقت اونٹ ان کے سامنے لائے گئے۔ عزبر نے تین

اونٹ چن لیے۔

عرب بدوؤں نے تینوں اونٹوں کے عوض بیس سونے کی

اشرفیاں مانگیں جو عزبر نے اسی وقت ادا کر دیں۔ عزبر انہیں

زیادہ دینا چاہتا تھا مگر عرب بدوؤں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ

وہ اپنے حق سے زیادہ ایک پانی بھی صول نہیں کریں گے۔

عزبر نے پوچھا۔

”بابا! یہ بتائیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں؟“

بدو کہنے لگا۔

تم لوگ اگرچہ کاررواں کے راستے سے دور ہو لیکن غلط

راستے پر بھی نہیں ہو۔

یہاں سے ایک دن اور ایک رات سفر کرنے کے بعد تم

اس صحرائی راستے پر پہنچ جاؤ گے جہاں سے قافلے گذر کر تے

ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

”وہاں سے بغداد کتنی دور ہوگا بابا؟“

”بس وہاں سے بغداد صرف ایک پہر سفر پر رہ جاتا ہے

اگر تم رات وہاں بسر کر کے صبح وہاں سے چلو تو دو پہر کو بغداد کے شہر کے دروازے پر پہنچ سکو گے۔“
عزبر نے کہا۔

”بہت اچھا بابا! اب ہمیں اجازت دو، ہم جلد سے جلد بغداد پہنچنا چاہتے ہیں۔“
ایک عرب نے پوچھا۔

”برخوردار! تم دو انسان ہو۔ پھر تم نے تیسرا اونٹ کس لیے خریدا ہے جبکہ تمہارے پاس کوئی سامان بھی نہیں ہے؟“

عزبر بولا۔

”کچھ نہیں بابا! بس یہ سوچ کر خریدا ہے کہ اگر خدا نہ کرے ایک اونٹ بیمار پڑ گیا تو دوسرے پر سفر کیا جاسکے گا۔“

”اچھا خدا حافظ۔“

عزبر اور ناگ اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ ماریا ابھی تک اونٹ پر سوار نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے کہ کہیں اونٹ اس کو اپنے اوپر سوار ہوتا محسوس کر کے گھبرا نہ جائے کہ یہ عس قسم کا سوار ہے۔ کہ نظر نہیں آتا لیکن اس کے اوپر سوار ہے۔

ناگ اور عزبر اونٹوں پر اور ماریا اپنے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتی گئی۔ دور جب وہ ایک ریت کے ٹیلے کا موڑ گھوم گئے تو ماریا نے کہا۔

”خدا کے لیے اب تک ک جاؤ۔ میں تو چلتے چلتے پریشان ہو گئی۔“

عزبر اور ناگ ہنسنے لگے۔

”ہاں بھئی! اب تم بھی سوار ہو جاؤ۔ بھئی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانے میں اگر کچھ آسانیاں اور فائدے ہیں تو کچھ تکلیفیں بھی ہوں گی۔ لو اب اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔“

ماریا نے ٹکیل کو کھینچ کر اونٹ کو زمین پر بٹھایا۔ پھر اس کے اوپر رکھے کجاوے پر سوار ہو گئی۔ اس کے سوار ہوتے ہی اونٹ کچھ گھبرا یا۔

مگر پھر چپکے سے اٹھا اور دوسرے دو اونٹوں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ دوپہر تک وہ صحرا میں سفر کرتے رہے۔

پھر گرمی سے تنگ آ کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ شام تک وہ وہاں آرام کرتے رہے۔ جب سائے ڈھل گئے اور صحرا میں

گرمی کم ہو گئی تو انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھا کر پھر سے سفر شروع کر دیا۔

صحرا میں دن کے مقابلے میں راتوں کا سفر کرنا بڑا اچھا ہوتا ہے۔ دن کو تو اس قدر دھوپ اور گرمی ہوتی ہے اور نہ گرم ہوا چلتی ہے۔

رات کو صحرا میں ہلکی ہلکی ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ اور سفر کرنے والے بڑے آرام سے سفر کرتے ہیں۔

عزیز اور ناگ نے ایسا ہی کیا۔ وہ ساری رات صحرا میں سفر کرتے رہے۔ صبح کا سورج نکلا تو وہ ابھی تک سفر کر رہے تھے۔

اونٹ چلتے چلے جا رہے تھے۔ ماریا اور ناگ بیچ میں کجاوے پر بیٹھے بیٹھے سو بھی گئے تھے۔ صرف عزیز جاگتا رہا۔

وہ نہیں سویا تھا۔

اس خیال سے کہ اگر وہ سو گیا تو کہیں وہ راستہ نہ بھول جائے کیونکہ اگر کوئی مسافر ایک بار صحرا میں راستہ بھول جائے تو پھر اس کا دوبارہ راستہ تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔
عنبر ستاروں کے حساب سے راستہ دیکھ کر چل رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کسی جگہ آرام کر لینا چاہیے،
ہم ساری رات سفر کرتے رہیں گے۔“
ماریانے کہا۔

”ہاں عنبر بھائی! ہمیں یہاں آرام کرنا چاہیے۔ اونٹ پر
رات بھر سفر کرنے کے بعد میری ہڈی پسلی درد کرنے لگی
ہے۔“

عنبر بولا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“

ناگ نے کہا۔

”لیکن کوئی دو چار درختوں کی چھاؤں تو نظر آ جائے۔“

اس سخت دھوپ میں ہم کہاں آرام کریں گے۔“

عنبر نے کہا۔

”کچھ دیر چلتے ہیں۔ ضرور درختوں کی چھاؤں مل جائے گی۔“

اور انہوں نے پھر سے سفر شروع کر دیا۔

کچھ دیر سفر کرنے کے بعد انہیں ایک جگہ کچھ درخت

نظر آئے۔ وہ بے اختیار ہو کر ان درختوں کی طرف بڑھے۔

اس جگہ پانی کا کوئی چشمہ نہیں تھا۔ لیکن درخت اگے ہوئے

تھے۔

درختوں میں لال لال کھجوریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ ان درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آکر ماریا تو زمین پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ ٹاگ نے بھی چادر بچھا دی اور اس کے اوپر لیٹ کر بولا۔

عنبر بھائی! سب کچھ بھول بھلا کر تم بھی چادر بچھا کر لیٹ جاؤ۔ اس قدر سخت گرمی میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ اس گرمی نے تو میرا برا حال کر دیا ہے۔

عنبر ہنس کر بولا۔

بھائی ہم تو اسی گرمی میں کھیل کود کر پلے ہیں۔ ہمیں تو کوئی خاص گرمی محسوس نہیں ہو رہی۔

بہر حال تم لوگ کہتے ہو تو میں بھی تھوڑی دیر آرام کر لیتا

ہوں۔

عنبر بھی ایک طرف چادر بچھا کر لیٹ گیا۔ سچ مچ وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد تینوں سو رہے تھے۔ ان کے قریب ہی اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔

بغداد شہر ایک پہر سفر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے۔

رات خنک تھی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ تھی۔ آسمان پر بے شمار
ستارے چمک رہے تھے۔ جن کی روشنی صحرا میں ایک سفید
دھند کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

اونٹ بڑے مزے سے جگالی کرتے چلے جا رہے تھے۔
ان کے پاس پانی بھی تھا اور خوراک بھی تھی۔ ساری رات وہ
سفر کرتے رہے۔

صبح کی روشنی ہونے لگی تو انہیں ایک طرف کھجور کے
درخت نظر آئے جو قطار میں چلے گئے تھے۔
غبر نے کہا۔

”یہی وہ صحرائی راستہ ہے، جو بغداد شہر کو جاتا ہے۔ اس
راستے کے کنارے پر کھجور کے درخت اگے ہوئے ہیں۔“

اٹھلا کی قید میں

شام کے وقت وہ سوکرائے گئے تو تازہ دم تھے۔

انہوں نے سامان باندھ کر اونٹوں پر رکھا اور سفر شروع کر
دیا۔

غبر نے انہیں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ساری رات صحرا میں
سفر کرتے رہیں تو صبح کے وقت اس صحرائی راستے پر پہنچ
جائیں گے جہاں سے قافلے گزرتے ہیں اور جہاں سے

ناگ نے کہا۔

”تمہاری وجہ سے ہم بھٹکنے سے بچ گئے۔ عنبر بھائی۔ نہیں تو ہم صحرا میں ضرور راستہ بھول جائے۔“

ماریا نے کہا۔

”ہاں عنبر بھائی! ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔“

عنبر نے کہا۔

شکریے کی کوئی بات نہیں ماریا بہن! میں ان صحراؤں کے لیے کوئی اجنبی آدمی نہیں ہوں۔ نہ یہ صحرا میرے لیے اجنبی ہے۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر میں ستاروں کے حساب سے راستہ دیکھتا رہتا تھا جو کہ اس علاقے کے رہنے والے لوگ کیا کرتے ہیں۔

ناگ بولا۔

”خدا کا شکریہ ہے کہ ہم منزل کے قریب آ گئے۔“
مشرق میں سورج نکل آیا۔ اس کی روشنی چاروں طرف صحرا میں پھیل گئی۔ ہر طرف اجالا ہو گیا۔

دھوپ آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔ صحرا کی ریت جورات کو ٹھنڈی ہو گئی تھی اب پھر سے گرم ہونی شروع ہو گئی۔ مگر اب وہ اس راستے پر پہنچ چکے تھے۔ جس کے دونوں جانب فاصلے پر کھجوروں کے درخت اگے تھے۔

یہ راستہ بڑا پرانا تھا۔ لوگوں نے اس راستے کے کنارے پر اسی لیے درخت اگا دیئے تھے کہ مسافروں کو سفر کرتے ہوئے تکلیف نہ ہو اور وہ جب گرمی سے پریشان ہو جائیں تو سائے میں بیٹھ کر آرام کر لیں۔

تھے۔ ایک بچہ کھیل رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ باقی گاؤں سارے کے سارا خالی ہے۔ وہاں اور کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عمر نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ چنگیزی فوج کے وحشیوں نے گاؤں کے گاؤں پر باد کر دیئے ہیں۔ شاید یہاں کے جوان مردوں کو انہوں نے قتل کر دیا ہے۔“

”ہاں، کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔“

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ سامنے سے چنگیزی فوج کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار آیا اور تیزی سے ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔

سپاہی تلواریں لہراتے، شور مچاتے چلے جا رہے تھے۔

مگر یہ درخت دور دور تھے۔ کہیں چند ایک درختوں کے جھنڈ آ جاتے تھے۔ جوں جوں بغداد شہر قریب آتا جا رہا تھا، درخت زیادہ دکھائی دیئے لگے تھے۔

عرب بدو کے کہنے کے مطابق جب ایک پہرہ دن ختم ہوا تو دور سے انہیں بغداد شہر کی دیوار اور دیوار کے اوپر بنے ہوئے برج دکھائی دینے لگے۔

عمر نے کہا۔

”وہ دیکھو بغداد شہر کی دیوار۔“

ناگ نے کہا۔

”بغداد شہر قریب آ گیا ہے مگر ہمیں راستے میں کوئی رونق دکھائی نہیں دے رہی۔“

انہیں ایک گاؤں نظر آیا جس کے باہر دو اونٹ بیٹھے

ناگ نے کہا۔

”خدا خیر کرے۔ یہ وحشی لوگ تو بڑے ظالم لگتے ہیں۔
انہوں نے تو ہر طرف تباہی پھیلا رکھی ہوگی۔“

ماریا بولی۔

”اگر میں اونٹ پر ایک طرف نہ ہو جاتی تو ایک سپاہی کی
تلوار میرا بازو اڑا کر ساتھ ہی لے گئی ہوتی۔“

عنبر نے کہا۔

یہ وحشی لوگ ہیں۔ ان کا کوئی دین مذہب نہیں ہے،
پتھروں اور لکڑی کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انسانوں کا
بے دریغ خون بہاتے ہیں۔

انہوں نے صحرائے گوبی سے لے کر بغداد تک نہ جانے
کیا کیا ظلم ڈھائے ہوں گے۔

ماریا نے کہا۔

”بھائی! میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ
ہمیں اب بھی یہاں سے واپس چلے جانا چاہیے۔“

عنبر ہنس کر بولا۔

”بھئی واہ! ماریا بہن! میں نے تمہیں کبھی اتنا گھبرایا ہوا
نہیں دیکھا۔ یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“

ماریا نے کہا۔

”بھائی عنبر! ایسے لوگوں سے بھی ہمارا کبھی پالا نہیں
پڑا۔“

عنبر نے کہا۔

”ہم نے تو آدم خور وحشیوں کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ یہ
لوگ آدمی کو قتل کر کے پھینک دیتے ہیں۔ انہیں بھون کر

کھاتے تو نہیں۔“

ناگ ہنس کر بولا۔

”فکر نہ کرو ماریا بہن! میں تمہاری حفاظت کروں گا۔“

ماریا بولی۔

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آدم خور وحشیوں کا مقابلہ

میں نے بھی کیا ہے۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ بغداد شہر کی

سیر تو میں بھی کروں گی۔ اگر چنگیزی سپاہی وحشی ہیں تو میں بھی

انہیں ہلاک کرنا چاہتی ہوں۔“

اب وہ بغداد شہر کی دیوار کے قریب آ گئے تھے۔ یہاں

شہر کا ایک دروازہ تھا جس کے آگے گھنے درختوں کا جھنڈ تھا۔

ان درختوں کی چھاؤں میں چنگیزی فوج نے ایک خیمہ ڈال

رکھا تھا۔

شہر کا دروازہ کھلا تھا مگر وہاں وحشی سپاہی پہرہ دے رہے

تھے۔ منبر اور ناگ ایک طرف ہٹ کر رک گئے۔ وہ اونٹوں پر

سے اتر پڑے۔

ماریا بھی اونٹ سے اتر آئی۔ انہوں نے اونٹ درخت

کے نیچے باندھ دیے۔ اب وہ آپس میں صلاح مشورہ کرنے

لگے کہ شہر میں کس طرح اور کیا بہانہ بنا کر داخل ہوں۔

ناگ نے کہا کہ چنگیزی سپاہی اس سے بہت پوچھ گچھ نہیں

کریں گے۔ بس دو چار سوال پوچھیں گے۔ منبر نے کہا۔

”اور اگر ہم ان کے دو چار سوالوں کا جواب نہ دیا تو وہ

اسی وقت ہمیں قتل کر کے دیوار کی کھائی میں پھینک دیں

گے۔“

ماریا نے کہا۔

”تو پھر ہمیں کس حیثیت میں شہر میں داخل ہونا چاہیے۔“
 ”بھئی، تم اپنی فکر نہ کرو۔ تم تو بڑی آسانی سے شہر میں
 داخل ہو جاؤ گی۔ فکر تو ہمیں کرنی چاہیے۔“
 ”بھائی میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی ہوں۔“
 غبر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں وہی پرانی بانسری بجانی چاہیے
 یعنی ہمیں یہی ظاہر کرنا چاہیے کہ ہم حکیم ہیں۔ اور جڑی
 بوٹیوں کی تلاش میں ادھر آئے ہیں۔“
 ناگ نے اعتراض کیا۔
 ”اگر انہوں نے ہمارا اعتبار نہ کیا تو پھر کیا کریں
 گے؟“

”تو پھر ہم انہیں بیمار کا علاج کر کے دکھا دیں گے۔ یہ

کام تو ہم کر ہی سکتے ہیں۔“
 ”ہاں یہ تو ہے۔“
 ماریا نے کہا۔
 ناگ بولا۔
 ”تو پھر خدا کا نام لے کر آگے بڑھو بھائی۔“
 غبر نے کہا۔

ماریا بہن! تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا۔ اگر کوئی گڑبڑ
 ہوئی تو تم شہر میں داخل ہو جانا۔ ہم تمہارے بعد بھی پہنچ
 جائیں گے۔
 تم شہر کے اندر جا کر دیوار کے ساتھ رک کر ہمارا انتظار
 کرنا، ہم بہت جلد آ جائیں گے۔
 ”بہت اچھا بھائی۔“

عمر اور ناگ شہر کے دروازے کی طرف بڑھے۔

دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ان سپاہیوں کا ایک کمانڈر ایک طرف لکڑی کے تخت پر تلوار رکھے ٹانگیں پسارے بیٹھا بھنے ہوئے مرغ کی ٹانگ چبا چبا کر کھا رہا تھا۔
عمر اور ناگ اندر داخل ہونے لگے تو کمانڈر نے انہیں اشارے سے اپنی طرف بلا کر پوچھا۔

”کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟“

عمر نے کہا۔

”ہم حکیم لوگ ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے

ہیں۔“

کمانڈر بولا۔

”بغداد میں کیا کرنے آئے ہو؟“

ناگ نے کہا۔

”تجارت کرنے۔“

اس جواب پر سارے کے سارے سپاہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

کمانڈر نے مرغ کی ٹانگ کی ہڈی ناگ کے سر پر پھینک کر کہا۔

”بد بخت آوارہ گردو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس شہر پر چنگیز خان کی فوج کا قبضہ ہے اور یہاں صرف انسان کے کٹے ہوئے سروں کی تجارتی ہوتی ہے۔“

عمر نے کہا۔

”جناب عالی! ہمیں معلوم ہے، لیکن ہم یہ سوچ کر ادھر آ گئے ہیں کہ ہم بیماروں کی خدمت کریں گے۔“

”ہا ہا ہا“ کمانڈر نے قہقہہ لگایا اور پھر عنبر کو گھور کر بولا۔

”تم دونوں مجھے۔۔۔ مسلمانوں کے جاسوس لگتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ کیا کرنے آئے ہو۔“

اگر تم نے سچ سچ جواب نہ دیا تو میں تم دونوں کو اس درخت کے نیچے پھانسی پر چڑھا دوں گا۔

ماریا گھبرا گئی۔ ناگ بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔ مگر عنبر نے حوصلہ نہ ہارا۔ اس نے جھک کر بڑے ادب سے کہا۔

جناب! ہم نہ تو چور ہیں اور نہ کسی شہر کے جاسوس ہیں۔ ہم تو جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں۔

بیمار لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کا علاج کرتے ہیں اور ان کی تیمارداری کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

کمانڈر بڑا وحشی اور بدتمیز انسان تھا۔ اس نے عنبر کو نیزے سے دھکا دیا۔ عنبر زمین پر گر پڑا۔ کمانڈر نے حکم دیا۔

”ان دونوں کو حوالات میں بند کر دو۔ میں خود انہیں اٹھلا کے سامنے پیش کروں گا اور جاسوس پکڑنے کے صلے میں انعام حاصل کروں گا۔“

عنبر ابھی زمین سے اٹھایا تھا کہ سپاہیوں نے دونوں کو پکڑ لیا اور انہیں لے کر شہر کے اندر چلے گئے۔ شہر کی دیوار کے اندر قریب ہی ایک ڈیوڑھی میں سے سیڑھیاں نیچے ایک جیسی حوالات میں چلی گئی تھیں جو تہہ خانے میں بنی ہوئی تھی۔

عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں ڈال کر دروازے پر تالا لگا کر سپاہی اوپر چلے گئے۔ باہر پہرے دار کلباڑا کندھے پر

رکھے پہرہ دینے لگے۔

یہ سب کچھ ماریا کی آنکھوں کے سامنے ہوا مگر وہ کچھ نہ کر سکی۔ وہ باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ ان کے ہاتھ ہی شہر کے دروازے میں سے گزر کر اندر آ چکی تھی۔

جب عنبر اور ناگ کو نیچے حوالات میں بند کر کے دروازے پر تالا لگا دیا گیا تو وہ ڈیوڑھی میں کھڑی یہ سب تماشا دیکھتی رہی۔

نیچے جانے والا سیڑھیوں کا دروازہ بھی بند تھا۔ وہ دروازہ لوہے کا تھا اور ماریا اگرچہ غائب تھی مگر اس کے اندر سے نہیں گزر سکتی تھی۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ عنبر نے سپاہیوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا؟

مگر اس بے چاری کو کیا خبر کہ عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں بند کر کے زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ عنبر صرف کالے علم کے جادو کے ذریعے سے ہی زنجیروں کو توڑ سکتا تھا۔

ایسا کرنے سے اس کا چہرہ جھلس جاتا اور سارے بدن پر چھالے پڑ جاتے۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تلوار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

وہ تلوار سے بہت سے دشمنوں کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن کالا جادو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہ ہی اتنی سی بات کے لیے سلامبو کی لاش کی مدد طلب کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اس کا احساس لینا بڑی بات تھی اور وہ کسی بڑے اور بڑے وقت کے لیے سلامبو کی مدد لینا چاہتا تھا۔

ماریا کچھ دیر ڈیوڑھی میں کھڑی رہی۔ وہ موقع کی تاک

جاتے۔ کوئی دکاندار اعتراض کرتا تو اسے قتل کر کے پھینک دیتے۔

ماریا کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر شہر میں گھوم کر وہاں کے حالات معلوم کرے گی۔ اور پھر واپس شہر کے دروازے والی حوالات کی ڈیوڑھی میں آ کر یہ دیکھے گی کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ کیا گزر رہی ہے؟

اس نے کمانڈر کی زبان سے یہ سن لیا تھا کہ وہ انہیں خود اٹھلانے کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ رات عنبر اور ناگ حوالات میں ہی رہیں گے۔ کمانڈر دوسرے روز انہیں ظالم اٹھلانے کے حضور پیش کرے گا۔

ماریا نے بغداد شہر کے ویران شہروں میں گھومنا پھرنا

میں تھی کہ ذرا پہرے دارادھر ہو تو وہ اندر چلی جائے مگر دروازے پر تالا لگا رکھا تھا۔

پہرے دار اگر پرے ہٹ بھی جاتا تو وہ دروازہ کھول کر اندر نہیں جاسکتی تھی۔ پھر وہ کیا کرے کچھ دیر وہ کھڑی سوچتی رہی۔ پھر وہاں سے ہٹ کر شہر کی طرف آ گئی۔

بغداد شہر بڑا عالی شان مکانوں اور محلات والا شہر تھا۔ مگر وہاں ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

بہت کم لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے تھے۔ بہت کم دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ زیادہ لوگ فوجی سپاہی تھے جو اٹلی کی فوج کے وحشی سپاہی تھے۔

یہ سپاہی تلواریں لیے بڑی آزادی سے ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ وہ جس دکان پر جاتے سامان اٹھا کر لے

شروع کر دیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ کھانے پینے کا تھیلا۔
باہر اونٹوں پر ہی بندھا ہوا تھا۔

ان کا ارادہ یہ تھا کہ جب انہیں شہر کے اندر داخل ہونے
کی اجازت مل جائے گی تو وہ واپس آ کر اپنے اونٹ اور
کھانے پینے کا سامان بھی شہر کے اندر لے جائیں گے۔

مگر کمانڈر نے غبر اور تاگ کو گرفتار کر کے سارے کا سارا
کام ہی تہس نہس کر دیا تھا۔

ایک بار تو ماریا کے جی میں آئی کہ وہ واپس جا کر شہر کی
چوکی پر ایک ایک کر کے سارے سپاہیوں، کمانڈر اور پہرہ
داروں کو ہلاک کر دے۔

پھر اس نے سوچا کہ اس میں اس کے پانے پکڑے
جانے کا خطرہ تھا۔ اگر کسی کا ہاتھ بھی اسے چھو گیا تو وہ ان بے

رحم وحشی سپاہیوں کے قابو میں آ جائے گی۔

ایک یاران وحشیوں نے انہیں پکڑ لیا تو وہ پھر اسے وہیں
ختم کر دیں گے۔

ماریا کو بھوک ستانے لگی تھی۔ اس نے ایک تنور پر نانائی کو
گرم گرم روٹیاں لگاتے دیکھا۔ وہ نانائی کی دکان پر جا کر
کھڑی ہو گئی۔

جونہی نانائی نے ایک گرم گرم روٹی تنور میں سے نکال کر
باہر رکھی، ماریا نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا اور کھانی شروع
کر دی۔

ایک دم روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالنے سے اس کا منہ جل گیا
اور وہ کھانے لگی۔ نانائی نے چونک کر اس پاس دیکھا۔ اس
کی روٹی بھی تختے سے گم ہو گئی تھی اور قریب ہی کسی عورت

کے کھانسنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سر کو جھٹک کر آنکھیں زور سے جھپکائیں اور دوبارہ تنور میں روٹیاں لگانے لگا۔
روٹی کھا کر ماریا آگے چل پڑی۔

خونی کھیل

ماریا دریائے درجلہ کے کنارے آ گئی۔

یہ دریا بغداد شہر کے ساتھ لگ کر گذرتا تھا۔ کبھی یہاں بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔ مگر اب ہر طرف ویرانی کا عالم تھا۔
دریا کے کنارے کی ساری دکانیں بند تھیں۔

کچھ ٹوٹی پڑی تھیں، جو کھلی تھیں وہاں بہت کم عرب لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ ماریا ایک دکان کے پاس جا کر کھڑی

ہو گئی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہاں کے لوگ کس قسم کی باتیں کرتے ہیں؟ اس دکان کے باہر لڑی کے بیچ پر کچھ عرب بیٹھے تھے۔ ایک زقبوہ کی چسکی لگا کر کہا۔
 ”ٹیلا نے ہمارے خلیفہ کو اور اس کے بال بچوں کو قید کر کے اچھا نہیں کیا۔“

”ہم اس سے بہت جلد بدلہ لیں گے۔“

”سنا ہے اٹیلا خلیفہ اور اس کے شہزادوں کو قتل کرنے والا ہے۔“

”سنا ہے میں نے بھی۔“

”یہ تو بڑا ظلم ہوگا۔“

ظلم ہم نے بھی اپنے اوپر بہت کیا ہے۔ ہم اپنے عیش و عشرت میں خدا کو بھول گئے تھے۔ ہم نے خدا کا خوف دلوں

سے نکال دیا تھا۔

بس اس لیے خدا نے ہم پر عذاب نازل کیا۔ اگر اب بھی ہم سنبھل جائیں تو مسلمانوں کو پھر سے وہی عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

”کاش! ہم سچائی کے راستے سے ہٹ کر برائی کی راہ پر نہ لگتے!“

”مصر و بغداد میں بڑا قتل عام ہوا ہے۔ چنگیز اور ہلاکو کی یاد پھر تازہ ہو گئی ہے۔“

”سنا ہے سین کے مسلمان یا شاہ ہماری مدد کو آ رہے ہیں۔“

”وہ بے چارے اتنی دور سے کہاں آئیں گے۔“

”وہ تو خود آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ہیں۔“

”ان باتوں کو چھوڑو۔ بھول جاؤ ان باتوں کو۔ اٹھلا سے بدلہ لینے کی بات کرو۔“

”ہم اٹھلا سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے گھر بار اجڑ گئے۔ دکانیں لوٹ لی گئیں۔ ہم مجبور ہیں۔“

”شی، خاموش رہو! اٹھلا کے جاسوس شہر کے چپے چپے پر پھرتے ہیں۔ کسی نے خبر دی تو میرے بال بچوں کو کھلو میں ڈال کر پلوادیا جائے گا۔“

”لیکن بھائیو! ہمارا خلیفہ کس جگہ قید ہے؟“

”قلعے میں اور کہاں۔“

”شی! اگر تمہیں ایسی بات کرنی ہے تو پھر میری دکان سے اٹھ کر چلے جاؤ۔“

عرب لوگ خاموش ہو گئے۔ وہ سر جھکا کر قہوہ پینے لگے۔ ماریا وہاں سے آگے چل دی۔

اس نے سوچا کہ یہ لوگ بے بس ہو گئے ہیں۔ اسے یہ ضرور پتا چل گیا تھا کہ بغداد کا خلیفہ قلعے کے اندر کسی جگہ قید ہے۔ وہ شہر کے تنگ بازاروں میں آگئی۔

یہاں بھی جگہ جگہ اٹھلا کے سپاہی تلواریں لٹکائے گھوم پھر رہے تھے۔ ماریا کو کندھا ایک سپاہی سے ٹکرا گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”ابھی میرا کندھا تمہارے کندھے سے ٹکرایا ہے؟“

”نہیں تو۔“ دوسرے نے کہا۔

پہلا حیرانی سے سر جھٹک کر آگے چل پڑا۔

ماریا مسکرائی اور ایک طرف گلی میں گھوم گئی۔

اس گلی میں ایک بہت بڑی حویلی کا دروازہ تھا جس کا ایک پٹ کھلا تھا۔ اندر سے ایک وحشی سوار گھوڑے پر آیا اور ماریا کے قریب سے ہو کر گذر گیا۔

پھر ایک اور سوار باہر نکل کر گھوڑا دوڑائے چلا گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اس حویلی میں ضرور اٹھلا کے سپاہی رہتے ہیں۔ ذرا چل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ماریا حویلی کے اندر چلی گئی۔

اندر صحن میں جگہ جگہ سپاہی ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے کھاپی اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ان کے گھوڑے پاس ہی بندھے تھے۔

ایک راستہ اوپر دوسری منزل کو جا رہا تھا۔ ماریا سنگ مرمر

کی سفید سیڑھیوں سے گزر کر اوپر دوسری منزل میں آ گئی۔ یہ کسی بڑے امیر عرب کی حویلی تھی جس پر وحشی سپاہیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔

ماریا نے دوسری منزل پر آ کر دیکھا کہ سنگ مرمر کے فرش پر جگہ جگہ ریشمی قالین بچھے ہیں۔ چھتوں اور ستونوں کے ساتھ چاندی کے فانوس لٹک رہے ہیں جن میں سے کچھ مار دھاڑ میں ٹوٹ گئے تھے۔

ایک عرب نوکرانی سہمی ہوئی اس کے پاس سے ہو کر گزر گئی۔

پھر ماریا کو کسی کمرے سے عورت کے رونے کی آواز اور ہچکیاں سنائی دیں۔ ماریا کا دل درد سے بھر گیا۔ اسے بے چاری عورت پر رحم آنے لگا۔

جواہرات ہیں وہ لاؤ۔ وہ کہاں چھپا رکھے ہیں! جب تک وہ نہیں ملیں گے، ہم تمہیں اور تمہارے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔“

ماریا نے دروازے کو تھوڑا سا آگے کو دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا پھر کان لگا کر سننے لگی۔ اسے یوں سنائی دیا جیسے کوئی دروازے کے پاس آ رہا ہے۔

مایا جلدی سے دروازے سے پرے ہٹ گئی۔ دروازہ کھلا اور اندر سے ایک سپاہی باہر نکل گیا۔ پہرے دار دروازے کا پتہ دوبارہ اندر کرنے ہی لگا تھا کہ ماریا جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔

اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک بڑے پاکیزہ صورت والی نیک عرب خاتون قالین پر بال کھولے بیٹھی ہچکیاں لے رہی

وہ ادھر کو مڑی جدھر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز ایک بند کمرے سے آ رہی تھی۔ ماریا نے کان لگا کر سنا۔

کوئی اپنے بچوں کو واسطہ دے کر ہچکیاں لے کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میرے بچوں کو چھوڑ دو۔ یہ یتیم بچے ہیں۔ میں ان کے باپ کی موت کے بعد اکیلی اس حویلی میں بیٹھ کر انہیں پال رہی ہوں۔ تمہیں یہاں سے جتنی دولت لے جانی ہے لے جاؤ، مگر مجھے اور میرے بچوں کو چھوڑ دو۔“

کسی نے جنگلی آدمیوں جیسا قہقہہ لگا کر کہا۔
”کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے پاس جو ہیرے

ہے۔

ایک سپاہیوں کا سالار، جس کے سر پر بالوں کا گھنا جنگل تھا اور چہرے پر تلواروں کے زخموں کے نشان ہیں اس عورت کے سامنے چاندی کی تپاہی پر بیٹھا ہے۔

اس کے ہاتھ میں ہنتر تھا۔ کمر میں تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ ہاتھ میں ہنتر کلبہار ہاتھ اور عورت سے پوچھ رہا تھا۔

”سچ سچ بتادے حویلی کا پرانا خزانہ کہاں ہے؟“

عرب خاتون نے سسکی لے کر کہا۔

”اے سپہ سالار! میں ایک خاندانی عرب خاتون ہوں۔

میں مسلمان ہوں۔ میں نے کبھی زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔

میں نے تمہیں سچ کہہ دیا ہے کہ مجھے حویلی کے خزانے کے

بارے میں کچھ پتہ نہیں۔۔۔“

سپہ سالار نے زور سے ہنتر عورت کو مارا۔ عرب خاتون بلبلاتا کر رہ گئی۔ اس کے کندھے پر ہنتر لگنے سے قمیض پھٹ گئی۔ وہ بالوں میں منہ چھپا کر ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ سالار نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور کہا۔

”میں تمہارے بچوں کو آج رات ہی دجلہ میں پھینکوا دوں گا، نہیں تو بتا خزانہ کہاں ہے؟“

عرب خاتون سپہ سالار کے پاؤں پر گر پڑی۔

”مجھے اللہ کی قسم ہے۔ میں نہیں جانتی، خزانہ کہاں ہے۔

میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ ان یتیم بچوں پر رحم کرو۔“

”بکو اس بند کڑے۔“

سپہ سالار نے عورت کو پاؤں کی ٹھوک مار کر پرے گرا دیا۔

عرب خاتون اٹنے منہ گر پڑی۔ ارد گرد کھڑے سپاہی کھل کھلا

کرئس پڑے۔ پھر سپہ سالار نے کہا۔

”اس عورت کو اس کمرے میں بند رہنے دو۔ اگر شام تک اس خزانے کے بارے میں نہ بتایا تو اس کے بچوں کو قتل کرنے کے بعد اسے بھی قتل کر دیا جائے۔“

”جو حکم حضور۔“

سپہ سالار دورے سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا گیا۔

کمرے میں اب صرف وہی عرب عورت اور ماریا اکیلی رہ گئیں۔ عورت کو کوئی خبر نہ تھی کہ کمرے میں اس کے ساتھ ایک اور عورت بھی موجود ہے۔

عرب خاتون کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ سجدے میں گر کر اپنے خدا سے دعا مانگ رہی تھی۔

ماریا نے چپکے سے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”بہن! خدا نے تمہاری دعا سن لی ہے۔“

عرب عورت نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اس کے کندھے پر کسی عورت کے ہاتھ کا دباؤ تھا مگر شکل کسی عورت کی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ گھبرا کر سجدے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی کہ یہ کس عورت کی آواز تھی۔ کمرے میں اسے اپنے سوا دوسرا کوئی نہیں آ رہا تھا، لیکن آواز بھی اس نے ایک عورت کی سنی تھی اور کندھے پر کسی عورت کے ہاتھ کو محسوس بھی کیا تھا۔

ماریا نے عرب خاتون کو پریشان دیکھ کر کہا۔

”گھبراؤ نہیں بہن! میں تمہارے پاس اس کمرے میں موجود ہوں۔“

عرب خاتون نے پوچھا۔

”تم کون ہو بہن؟ کیا تم کوئی آسمانی روح ہو؟“

ماریا نے کہا۔

”میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی بہن! کیونکہ تم ایک مسلمان عورت ہو۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ میں اور میرے دونوں بھائی تم مسلمانوں کی تعریفیں سن کر ہی تم سے ملنے، تمہیں دیکھنے بغداد آئے ہیں۔“

عرب خاتون بولی۔

”لیکن۔۔۔ تم۔۔۔ تم دکھائی کیوں نہیں دیتیں بہن؟“

ماریا نے کہا۔

”یہ ایک بڑی لمبی کہانی ہے بہن! تم صرف اتنا سمجھ لو کہ مجھے مصر کے سب سے بڑے جادوگر سامری نے اپنے کالے جادو کے زور سے غائب کر دیا ہے۔ اب میں تو سب کو دیکھ سکتی ہوں۔ مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔“

عرب نے کہا۔

تم میری کیا مدد کرو گی بہن! یہ سپہ سالار تو بڑا ظالم ہے، اس نے میرے خاندان کے سب لوگوں کو قتل کر کے دریا میں پھینک دیا ہے۔

اب صرف میں اور میرے دو بچے ہی باقی رہے ہیں۔ یہ انہیں بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ جس خزانے کا وہ مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ اس خزانے کے بارے میں مجھے خود بھی معلوم نہیں ی

کہ وہ کہاں ہے؟ ہے بھی یا نہیں؟ پھر میں اسے کیا بتا سکتی ہوں۔

اب یہ کہہ گیا ہے کہ اگر شام تک میں نے خزانے کا راز نہ بتایا تو میرے دونوں بچوں کو ہلاک کر دے گا۔

عرب خاتون رونے لگی۔ ماریا نے اسے حوصلہ دے کر کہا۔

”اپنے خدا پر بھروسہ رکھو بہن! خدا تمہارے ساتھ ہے۔ یہ شخص اپنی ساری فوج بھی لے آئے تم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے دونوں بچے کہاں ہیں؟“

عرب خاتون بولی۔

”مجھے یہ بھی تو معلوم نہیں کہ میرے بچے کہاں ہیں؟“

ماریا سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

”اچھا بہن! تم ایک کام کرو۔ سپہ سالار کو یہاں بلواؤ اسے کہو کہ اگر وہ اس کے بچوں کو کمرے میں لے آئے تو تم اسے خزانے کا راز بتا دو گی۔“

عرب خاتون بولی۔

”لیکن میری بہن میں سپہ سالار کو خزانے کا راز کہاں سے بتاؤں گی۔“

”مجھے تو خود نہیں معلوم کہ خزانہ کہاں ہے؟“

ماریا نے کہا۔

”بہن! میں تمہیں جیسے کہتی ہوں۔ تم ویسے ہی کرو۔ بچوں کو کسی طرح یہاں سے بلواؤ۔ پھر میں جانوں میرا کام جانے۔“

عرب خاتون نے کہا۔

”بہن یہ بے وحشی لوگ ہیں۔ کیا تم اکیلی ان کا مقابلہ کر سکو گی؟“

ماریا نے کہا۔

”تم دیکھتی جاؤ، خدا کیا کرتا ہے۔ اب سپاہی کو آواز دو۔“

عرب خاتون نے اٹھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ پہرے دار سپاہی نے پوچھا۔

”کیوں دروازے پر ہاتھ مار رہی ہو؟ کیا بات ہے؟“

عرب خاتون نے کہا۔

”اپنے سپہ سالار سے کہو میرے بچے لے آئے۔ میں

خزانے کا راز بتانے کو تیار ہوں۔“

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”اب آئی ہے تو سیدھی راہ پر۔ ٹھہرو میں ابھی بلاتا ہوں۔ سپہ سالار صاحب کو۔“

یہ کہہ کر سپاہی سالار کو بلانے چلا گیا۔ ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

”جب سالار آئے تو تم اسے یہی کہنا کہ پہلے میرے بچے لاؤ، پھر تمہیں بتاؤں گی کہ خزانہ حویلی میں کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔“

”ٹھیک ہے بہن! میں ایسا ہی کروں گی مگر خدا کے لیے یہ دیکھنا کہیں میرے بچوں کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے۔“

ماریا بولی۔

”بہن! خدا پر بھروسہ رکھو۔ تمہارے بچوں کا کوئی بال بھی بیکار نہ کر سکے گا۔“

یہ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ دروازہ کھلا اور سالار تین سپاہیوں کے ساتھ اندر آ گیا۔

”کیا بات ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے بچے میرے پاس لے آؤ، میں تمہیں خزانے کا راز بتا دوں گی۔“

سپہ سالار نے کہا۔

”پہلے خزانے کا راز بتاؤ پھر تمہیں بچے ملیں گے۔“

عرب خاتون نے کہا۔

”مجھے کیا معلوم کہ تم نے میرے بچوں کو ہلاک کر ڈالا

ہو۔ جب میں اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھوں گی،

جب مجھے اچھی طرح سے تسلی ہو جائے گی کہ میرے بچے زندہ سلامت ہیں تو میں تمہیں خزانے کا راز بتا دوں گی۔“

سپہ سالار نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ عورت تم بہت ہوشیار ہو۔ تمہارے بچے

ابھی تمہارے سامنے آ جاتے ہیں۔“

یہ کہہ کر سالار نے تالی بجا دی۔

دو سپاہی عرب خاتون کے پیارے پیارے بچوں کو لے

کر کمرے میں آ گئے۔

”ماں کو دیکھ کر بچے زور سے بولے۔“

”پیری امی جان۔“

میرے بچو! میرے پیارے بچو!

عرب عورت نے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ سپہ سالار گرج

کر بولا۔

”اب بتاؤ خزاں کہاں ہے؟“۔

عرب خاتون خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اس کے بعد اسے کیا کرنا ہے، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد تو ماریا کو اپنا کام شروع کرنا تھا۔

عرب خاتون گھبرا گئی کہ خدا جانے یہی عورت کہاں ہے؟ وہ اپنا کام شروع کیوں نہیں کرتی؟ اور خدا جانے وہ کیا کرے گی؟۔

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر ایک بچے کو کھینچ کر کہا۔
”بتاتی کیوں نہیں، خزاں کہاں ہے؟“۔

ٹھیک اسی وقت تلوار کا زبردست وار سالار کے بازو پر پڑا اور اس کا بازو کٹ کر اس کے کندھے سے جدا ہو گیا۔ بچے

چیخ مار کر ماں سے لپٹ گئے۔

سالار کی بھی چیخ نکل گئی۔ سپاہی ششدر ہو کر رہ گئے۔ سالار نے دوسرے ہاتھ سے تلوار کھینچ لی۔ سپاہی اس کی طرف بڑھے کہ کئے ہوئے بازو کے خون کو بند کریں۔ سالار نے چلا کر کہا۔

”دشمن کو قتل کر دو“۔

سپاہی سمجھے عرب خاتون دشمن ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ماریا نے تلوار مار کر ایک سپاہی کی گردن اڑا دی۔

دوسرے سپاہی کے سینے میں تلوار گھونپ دی اور تیسرے سپاہی کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔

یہ کام ماریا نے اتنی جلدی اور اتنی بہادری سے کیا کہ وہ خو

کمرے میں ہر طرف لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

پہرے دار یہ خونی تماشا دیکھ کر باہر ہی سے شور مچاتا
بھاگ گیا۔

بچے سہم کر ماں سے لگ گئے۔

اپنے آپ پر حیران رہ گئی۔ دیکھتے دیکھتے تین سپاہی زمین پر
گر کر تڑپنے لگے۔

سپہ سالار نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا
اور اپنے اکیلے ہاتھ سے تلوار لے کر عرب خاتون پر چلانے
کے لیے آگے بھا۔

ماریا نے ایک اور وار کر کے سپہ سالار کا دوسرا ہاتھ بھی
کاٹ کر رکھ دیا۔

اس کا ہاتھ تلوار سمیت زمین پر گر ا۔ اب وہ بے بس تھا۔
وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ماریا نے تلوار کا ایک اور وار اس کی گردن پر کیا۔
سالار کی گردن کندھے پر کٹ کر ڈھلک گئی اور ٹرپ
کر زمین پر گر پڑا۔

پہرے دار شور مچاتا سپاہیوں کو لینے گیا تھا۔ ماریا اور
عرب خاتون سیڑھیاں اتر کر چلی منزل میں آئیں تو سامنے
سے دو سپاہی بھاگتے آرہے تھے۔

انہوں نے عرب خاتون کو دیکھا تو تلواریں نکال لیں۔
وہ عرب خاتون کی طرف بڑھے مگر ماریا اس سے پہلے ان
کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

اس نے تلوار چلا کر ایک سپاہی کی ٹانگ پر وار کیا۔ وہ گر
پڑا دوسرے نے عرب خاتون پر حملہ کرنا چاہا۔ ماریا نے دوسرا
وار کیا۔ سپاہی کا بازو کٹ کر گر پڑا۔

وہ چیخ مار کر گرا۔ جب وہ اٹھا تو عرب خاتون بچوں کو لے
کر ڈیوڑھی میں آگئی تھی۔ ڈیوڑھی کے پہرے داروں نے یہ
خونی تماشہ دیکھ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔

حویلی کا بھوت

ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔
”جتنی جلدی ہو سکے۔ یہاں سے بچوں کو لے کر نکل
جاؤ۔ میں تمہارے آگے آگے راستہ صاف کرتی جاؤں گی۔
تم ڈیوڑھی میں پہنچو۔ پھر وہاں سے باہر نکل جانا۔“
عرب خاتون نے بچوں کو ساتھ لیا اور کمرے سے
بھاگی۔ ماریا اس کے آگے آگے تھی۔

ان کے کچھ نوکر رہتے ہیں۔ اگر وہ وہاں چلی جائے تو نوکروں کی مدد سے وہ وہاں سے فرار ہو جائے گی۔
”ٹھیک ہے، میرے ساتھ آؤ۔“

ماریا عرب عورت کو لے کر گلیوں اور بازاروں سے گزرتی شہر کی دیوار کے پاس آ گئی۔ اس نے عرب عورت کو ایک طرف کر لیا اور کہہ دیا۔

”یہاں سے تمہارا کیلی بچوں کے ساتھ نکل جانا بڑا مشکل ہے۔ یہ لوگ تمہیں پکڑ لیں گے۔“
”پھر میں کیا کروں؟“

عرب عورت نے کہا۔

ماریا کہنے لگی۔

تم ان ہی جھاڑیوں کے پاس ٹھہرو میں کہیں سے گھوڑا

ماریا ان کے سر پر بھی پہنچ گئی۔ اس نے ایک ہی وار سے ایک سپاہی کو ڈھیر کر دیا۔ دوسرے نے ہوا میں تلوار چلائی۔ ماریا نے تلوار کا ہاتھ اس کی گردن پر مارا۔ وہ سخت زخمی ہو کر گر پڑا۔

ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

”یہاں سے نکل چلو۔“

عرب خاتون دونوں بچوں کو لے کر حویلی سے باہر آ گئی۔ ماریا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر گلیوں میں سے بھاگتی ہوئی ایک پرانے مکان کی دیوار کے پاس کھڑی ہو گئی۔

اس نے خاتون سے کہا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔

عرب عورت نے کہا کہ اس شہر سے باہر ایک جگہ مقبرے میں

لاتی ہوں اگر تم میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ تو تمہیں

بھی میرے ساتھ کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔

تم بھی میری طرح سے غائب ہو جاؤ گی۔ میں ابھی گھوڑا

لے آتی ہوں۔

خبردار! ان جھاڑیوں میں ی اپنے بچوں کے ساتھ چھپے

رہتا۔ کہیں مت جانا۔ میں بڑی جلدی گھوڑا لے کر آتی

ہوں۔

”بہت اچھا بہن! میں اسی جگہ بیٹھی رہوں گی۔“

ماریا وہاں سے ہٹ کر شہر کے دروازے کی طرف آ گئی،

کیونکہ اس طرف ماریا کو کچھ گھوڑے دکھائی دے رہے تھے۔

دروازے پر وحشی سپاہی کھڑے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے

تھے۔

اتنے میں شہر کی حویلی کی جانب سے ایک گھوڑا

سوار بھاگتا ہوا آیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر بولا۔

سنو! سپہ سالار کو قتل کر دیا گیا ہے۔ عرب عورت بھاگ

گئی ہے، وہ شہر سے باہر نہ جانے پائے، اسے پکڑ لیا جائے یہ

کہہ کر گھوڑا سوار وہاں سے دوسری طرف نکل آیا۔

ماریا نے سوچا کہ یہ بہت برا ہوا جو یہاں سالار کے قتل کی

خبر پہنچ گئی۔ اس خبر نے ہر طرف ایک افراتفری سی مچا دی۔

وحشی سپاہی بڑے چوکس ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہرہ

زیادہ سخت کر دیا گیا۔

ماریا خاموشی سے چلتی ایک درخت کے پاس آ گئی جہاں

کچھ سپاہی اور دو یہودی سوداگر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دو

سپہ سالار کے قتل پر ہی باتیں کر رہے تھے۔

ایک یہودی جو بڑا کپا سا تھا، گھوڑے پر سے اتر کر سپاہیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”اگر ہمارے سپہ سالار کا قاتل مل جائے تو میں اپنی ساری دولت انعام میں دے دوں گا۔“

یہودی چٹیلزی سپاہیوں کے ساتھ مل گئے تھے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف دشمنی کر رہے تھے۔ ماریا کو یہودی بڑا زہر لگا۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسی سازشی مکار کا گھوڑا اڑائے گی۔ وہ بڑی خاموشی سے یہودی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

یہودی کا گھوڑا بڑا ہٹا کٹا تھا۔ ابھی تک یہودی نے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔ ماریا چاہتی تھی

کہ وہ باگ ہاتھ سے چھوڑے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ جائے۔

مگر یہودی کم بخت باگ کو ہاتھ سے چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔ ادھر عرب عورت بے کسی کی حالت میں بے کسی کی حالت میں بیٹھی تھی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر یہودی کے ہاتھ سے لگام جھٹک دی۔ اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ یہودی نے غصے سے گھوڑے کو دیکھا۔

”کیسے! پھر متہ زوری کر رہے ہو۔“

اس کا خیال تھا کہ گھوڑے نے لگام اس کے ہاتھ سے کھینچی ہے۔ یہودی نے آگے بڑھ کر لگام پھر سے ہاتھ میں پکڑ لی اور سپاہیوں سے باتیں کرنے لگا۔

نئے سوار کو محسوس کر کے گھبرا گیا تھا۔

ماریا نے اس کی گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے قدم قدم چلاتی آگے بڑھی۔ یہودی چلایا۔

”مجھے گھوڑے کی قدموں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔
لوگو پکڑو! میرا گھوڑا جا رہا ہے۔“

سپاہی بولا!

”کمیٹے موٹے! کہاں نظر آ رہا ہے تمہارا گھوڑا۔ بکو اس کرتے ہو؟“

اور سپاہی نے ایک دھول موٹے یہودی کے سر پر دے ماری۔ یہودی سر پیٹ کر رہ گیا۔ ماریا گھوڑے پر سوار اسے دوڑاتی اسی جگہ آ گئی جہاں عرب خاتون اپنے بچوں کو لیے جھاڑیوں میں چھپی بیٹھی تھی۔

وقت گزر رہا تھا۔ ماریا کو جلدی سے جلدی عرب عورت اور اس کے بچوں کے پاس پہنچنا تھا۔ اب اس سے زیادہ انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے یہی فیصلہ کیا کہ گھوڑے کو بھگا کر لے جائے۔ یہ سوچ کر اس نے زور سے باگ کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ باگ یہودی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

وہ گھوڑے کی طرف ہنر لے کر مڑا ہی تھا کہ ماریا نے اسے زور سے دھکا دے کر پرے گرا دیا اور خود چھلانگ لگا کر گھوڑے پر چڑھ گئی۔

سپاہیوں کے دیکھتے دیکھتے گھوڑا غائب ہو گیا۔ یہودی آنکھیں کھول کھول کر ادھر ادھر تکٹے لگا کہ گھوڑا کہاں چلا گیا۔ اسے گھوڑے کے ہنہانے کی آواز بھی سنائی دی، کیونکہ گھوڑا

مگر اچانک وہاں آ کر کیا دیکھتی ہے کہ عرب خاتون وہاں کہیں بھی نہیں ہے۔ ماریا تو پریشان ہو گئی۔ گھوڑے پر سوار اسے لے کر شہر کے دروازے پر آ گئی۔

اس نے دیکھا کہ عرب خاتون اور اس کے بچوں کو وحشی سپاہیوں نے پکڑ رکھا ہے۔ وہ بے چاری ڈیوڑھی کی چوکی کے فرش پر بیٹھی رو رہی ہے۔

ماریا سمجھ گئی کہ اس کے جانے کے بعد چنگیزی سپاہی اسے گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ سوچنے لگی کہ اب اسے یہاں سے کس طرح بچایا جائے؟ دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔

عمر اور ناگ کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ حوالات کے تہ خانے میں بند پڑے ہیں مگر وہ ان کی طرف

سے مطمئن تھی کہ وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔

ماریا واپس اسی جگہ آ گئی جہاں اس نے عرب عورت کو چھپایا تھا۔ ماریا گھوڑے سے نیچے اتر پڑی۔ اس نے گھوڑے کو اونچی جھانڑیوں کے پیچھے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود پیدل ہی ڈیوڑھی کی طرف آ گئی۔

وہ ڈیوڑھی کی چوکی میں داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ لگا ہوا نیزہ گر پڑا۔ داروغے نے چیخ کر کہا۔

”حرامی لوگو! تم کیا کر رہے ہو۔ تم سے آرام کے ساتھ کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا؟“

سپاہی وہاں کھڑے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ کسی کے بھی ہاتھ یا بازو لگنے سے نیزا نہیں گرا تھا۔

ہاتھ تو مار یا کالگا تھا۔

مگر ماریا کسی کو دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا چپکے سے چلتی ہوئی عرب خاتون کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا۔
”گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔“

عرب خاتون نے تعجب سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ نیک دل غائب لڑکی اس کی مدد کو پہنچ گئی۔ ماریا اس کے پاس ہی زمین پر بیٹھی تھی۔
اس کے سامنے تخت پر داروغہ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک غلام سے کہا۔
”اس عورت کو یہاں سے لے جاؤ۔ اسے رسیوں میں

جکڑ کر بند کر دو۔ میں ابھی اسے لے کر سپہ سالار کے گھر جا کر اسے خود اٹیل کے حضور پیش کروں گا۔“
ایک غلام آگے بڑھا۔ اس نے عرب خاتون کو ایک زور دار تھپڑ مارا۔ بے چاری شریف عورت در دے چیخ اٹھی۔ ماریا نے غلام کو آگے بڑھ کر اس زور سے جوابی تھپڑ مارا کہ وہ بھی چیخ اٹھا۔

داروغہ گر جا۔

”یہ لڑائی بند کرو بد بختو! لے جاؤ اس عرب عورت اور اس کے بچوں کو۔ لے جا کر اسے بند کر دو۔“
دو غلام آگے بڑھے۔ انہوں نے عرب خاتون اور اس کے بچوں کو اٹھایا اور ڈیوڑھی کے پچھلے حصے میں ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ماریا وقت ضائع نہیں کر سکتی تھی۔
اسے ابھی عنبر اور ناگ کی بھی جا کر خیر لینی تھی۔ وہ تو اس عورت
کی صرف مدد کرنا چاہتی تھی۔

اس نے وعدہ کر لیا تھا، اب وہ اسے ان وحشی درندوں
کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

دروازے پر ایک حبشی غلام پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ واپس جا کر گھوڑے
کو جھاڑیوں کے پاس سے کر لیا۔ اس پر جلدی سے سوار ہوئی
اور اسے قدم قدم چلاتی ڈیوڑھی میں آ گئی۔

جب وہ ڈیوڑھی میں سے گذر رہی تھی تو داروغے نے
کان لگا کر کہا۔

”ارے بد بختو! یہ گھوڑے کی آواز کہاں سے آ رہی

ہے؟“

سپاہی نے کہا۔

”حضور! یہاں تو کوئی بھی گھوڑا نہیں گزر رہا؟“

داروغہ بولا۔

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ گھوڑا کوئی گزر نہیں رہا۔“

پھر بھی گھوڑے کے قدموں کی آواز آ رہی ہے۔ حبشی

غلام ڈر گئے۔ کیونکہ وہ کالے جادو پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔

ایک حبشی نے کہا۔

”یہ کوئی بھوت ہے۔“

دوسرا بولا۔

”کالا بھوت ہے۔“

تیسرے نے کہا۔

”شہر میں بھوت آ گئے ہیں۔“

”خاموش بد بختو!“

دراوندہ گر جا۔

”جاؤ اپنا اپنا کام کرو خبر دار جو کسی نے پھر بھوت کا لفظ

زبان سے نکالا۔“

حبشی ادھر ادھر چلے گئے۔ ماریا ڈیوڑھی میں سے گزر

گئی۔ اس نے دروازے سے باہر جا کر پرے درختوں کے

ایک جھنڈ میں جا کر اپنے اونٹ دیکھے۔

وہاں کوئی بھی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی ان کے اونٹ اور

تھوڑا بہت سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ گھوڑے پر سے

اتر پڑی۔

اس نے گھوڑے کو رخت کے ساتھ باندھا اور بڑی تیزی

سے چل کر واپس ڈیوڑھی میں اس جگہ آ گئی۔ جہاں عرب

خاتون کو بچوں کے ساتھ کوٹھڑی میں بند کیا گیا تھا۔

کوٹھڑی کے باہر حبشی پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا اس

کے پاس ہی جا کر کھڑی ہو گئی۔

اتنے میں وہاں ایک اور حبشی آ گیا۔ یہ آنے والا حبشی

بھوتوں کی باتیں سن کر سخت ڈرا ہوا تھا۔

اس نے آتے ہی پہرے دار حبشی سے کہا۔

”ہوانا! شہر میں بھوت آ گیا ہے۔“

پہرے دار اچھل کر بولا۔

”کیا کہا؟ بھوت؟ کہاں ہے بھوت؟“

حبشی بولا۔

”میں نے خود بھوت کی آواز سنی ہے۔ وہ گھوڑا بن کر

غائب ہو کر ڈیوڑھی میں سے گذر رہا تھا۔“

”سچ کہہ رہے ہو؟“

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ ایک نہیں۔ تین چار بھوت

یہاں آ گئے ہیں۔ ہمیں اب یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ یہ
شہر بھوتوں کا شہر بن گیا ہے۔“

”دیوتا مجھے معاف کریں۔ اب کیا ہوگا؟“

”بس ہونا کیا ہے؟ یہاں سے موقع ملتے ہی بھاگ

جائیں گے۔ نہیں تو بھوت ہمیں کھا جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم بھاگ جائیں گے۔“

پہلا حبشی، دوسرے حبشی کو ڈرا کر چلا گیا۔ ماریا اس کے

پاس ہی کھڑی تھی۔ جب پہرے دار اکیلا رہ گیا تو ماریا نے

آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔ حبشی نے چکر کھا

کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور تلواریں نکال لی۔

”کون ہے۔ کون ہے۔؟“

ماریا نے آواز بنا کر کہا۔

”بھوت۔۔۔ بھوت۔۔۔ بھوت!“

اب تو حبشی کو پسینہ آ گیا۔ وہ جہاں کھڑا تھا، وہاں

کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

ماریا نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ایک زبردست لات

مار لی اور ساتھ ہی منہ سے ایک خوفناک چیخ نکالی۔ حبشی خود چیخ

مار کر اچھلا اور وہاں سے شور مچاتا اٹھ بھاگا۔

ماریا نے جلدی سے کوٹھڑی کا تالواریں کا دستہ مار کر توڑ

دیا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر گئی اور عرب خاتون سے کہا۔

”اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے باہر چلو۔“

ماریا نے عرب خاتون اور بچوں کو ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے نکل کر ڈیوڑھی میں سے باہر کل گئی۔ وہ عرب خاتون کو دوڑاتی ہوئی ساتھ لیے جا رہی تھی۔

وہ جلدی درختوں میں پہنچ گئے۔ اس وقت تک ڈیوڑھی میں شور مچ گیا تھا کہ عرب عورت بھاگ گئی ہے۔ دراوند چلا یا۔

”پکڑو پکڑو۔ جانے نہ پائے۔ پکڑو پکڑو اسے۔“

سارے کے سارے سپاہی ڈیوڑھی سے باہر بھاگے۔ انہوں نے عرب عورت کو بچوں کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگتے دیکھا۔ وہ نعرے لگاتے تلواریں اہراتے عرب خاتون کے پیچھے بھاگے۔

”جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔“

ماریا نے عرب عورت سے کہا۔

ان بچوں کو پہلے۔ سوار کرا دو۔ خدا کے لیے دیر نہ کرو۔ وہ لوگ آ رہے ہیں۔“

عرب عورت نے دونوں بچوں کو گھوڑے بٹھایا۔ پھر خود بھی سوار ہو گئی۔ سپاہیوں نے اسے گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے تیر برساتے شروع کر دیے۔ تیروں کی ایک بو چھا ان کے سروں کے اوپر سے گزر گئی۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ماریا بھی لپک کر گھوڑے پر سوار ہو گئی، اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔

ماریا نے گھوڑے کو بجلی جیسی تیزی کے ساتھ دوسری طرف موڑ لیا، تاکہ وہ تیروں کی بارش سے بچے رہیں۔ سپاہی

اور غلام چکر کھا گئے کہ گھوڑا کہاں غائب ہو گیا؟ ایک سپاہی بولا۔

”ابھی ابھی تو گھوڑا موجود تھا۔ میں نے خود اس پر عرب عورت کو سوار ہوتے دیکھا تھا۔“

”تو پھر کہاں چلا گیا؟“

ایک حبشی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”کہیں یہ بھوت نہ ہو۔“

اتنا سننا تھا کہ سارے حبشی چیخیں مارتے، بھوت بھوت کرتے وہاں سے بھاگ گئے۔ سپاہی انہیں آوازیں دیتے ہی رہ گئے۔

مگر وہ بھلا کہاں رکنے والا تھا۔ اب سپاہی بھی واپس ڈیوڑھی میں چلے گئے، کیونکہ ان کے لاکھ تلاش کرنے کے

باوجود عرب خاتون اور اس کا گھوڑا کہیں نہیں ملا تھا۔

ماریا گھوڑے کو دوڑاتی۔ عرب خاتون کے اشارے پر شہر سے جنوب کی طرف آ گئی۔ یہاں ریت کے ٹیلوں کے دامن میں ایک پرانا مقبرہ تھا۔

یہاں پہنچ کر ماریا گھوڑے سے اتر گئی۔ عرب خاتون بھی بچوں کو لے کر نیچے اتر آئی۔ اندر سے نوکر باہر آ گئے۔ انہوں نے مالک کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ماریا نے کہا۔

”اے خاتون! اب میں جاتی ہوں، کیونکہ میرا خیال ہے کہ اب تم آرام سے واپس کسی دوسرے شہر پہنچ جاؤ گی۔“

”ہاں بہن! میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گی، تم نے میری اور میرے بچوں کی جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔“

”یہ میرا فرض تھا۔ بہن! خدا حافظ۔“

ماریا گھوڑے پر سوار اسے سرپٹ دوڑاتی واپس شہر کے
دروازے پر آ گئی۔ اب شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ابھی
اسے عنبر اور ناگ کو پہچانا تھا۔

غیر آ باد خانقاہ

حوالات والی ڈیوڑھی میں شمع جل رہی تھی۔

ماریا ڈیوڑھی میں ایک طرف خالی بیچ پر بیٹھ گئی۔ اسے
اب پھر جھوک ستانے لگی تھی۔

وہاں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کھانا
لے کر عنبر اور ناگ کے پاس جانے کی کوشش کرے گی۔ ابھی وہ
یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اسے سامنے سے کمانڈر آتا دکھائی دیا۔

”کوئی بات نہیں۔ ابھی کوئی نہ کوئی آ رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے، یہ رات یہاں آخری رات ہوگی۔ کمانڈر ہمیں صبح ضرور یہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ مجھے تو فکر ماریا کی ہے۔ بے چاری خدا جانے کہاں بھٹکتی پھر رہی ہوگی۔“

”شی! کوئی آ رہا ہے۔“

ناگ نے ہوتنوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ برآمدے میں قدموں کی آواز آنے لگی تھی۔

اتنے میں کمانڈر اور حبشی غلام دروازہ کھول کر اندر کوٹھڑی میں آ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ ماریا نے سب سے پہلے ناگ اور عنبر کے قریب جا کر سرگوشی میں کہا۔

”میں آ گئی ہوں۔“

”خدا کا شکر ہے۔“ عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

اس کے ساتھ ایک حبشی غلام بھی تھا جس نے سر کے اوپر کھانے کی چنگیر اٹھا رکھی تھی۔

اس میں ظاہر ہے دو چار سوکھی روٹیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ماریا بھی تیزی سے اٹھی اور ان کے ساتھ اندر ہی چلی گئی۔

اندر سیڑھیاں تھیں۔ جو نیچے تہہ خانے کی حوالات میں اتر گئی تھیں۔ حوالات میں عنبر اور ناگ زمین پر رسیوں میں بندھے ہوئے بیٹھے تھے۔ ناگ کہہ رہا تھا۔

میں سانپ بن کر ساری کوٹھڑی کا چکر لگا چکا ہوں۔

کم بخت کسی جگہ کوئی معمولی سا سوراخ بھی نہیں ہے۔

جہاں سے میں باہر کی ہوا کھا سکوں۔

عنبر نے کہا۔

جبشی غلام نے تین چار خشک روٹیاں چنگیر میں سے نکال
کر عنبر اور ناگ کے سامنے پھینک دیں۔
کمانڈر نے کہا۔

”اگر تم اب بھی مجھے بتا دو کہ تم کس کی طرف سے
مسلمانوں کی جاسوسی کرنے آئے ہو تو میں تمہاری جان بخشی
کروا سکتا ہوں۔“
عنبر نے کہا۔

”ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم کسی کی جاسوسی کرنے
نہیں آئے۔“
کمانڈر نے غصے میں آ کر کہا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم دونوں جاسوس ہو۔ تم میرے
سامنے انکار کر رہے ہو۔ مگر اٹھلا خان کے سامنے جا کر تم خود

کمانڈر نے غصے سے کہا۔

”تم اس اندھیری کوٹھڑی میں بھی اپنے خدا کا نام لینے
سے باز نہیں آ رہے؟“

عنبر نے کہا۔

”ہم خدا کو ہمیشہ اور ہر حالت میں یاد کرتے ہیں۔“

”ہم اپنے خدا سے کبھی غافل نہیں رہے۔“

کمانڈر نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ اور ایک دن اپنے خدا کو یاد کر لو۔ کل

اس وقت تمہاری لاشوں کے ٹکڑے دریائے دجلہ میں مچھلیاں

کھا رہی ہوں گی۔“

کمانڈر نے جبشی سے کہا۔

”انہیں روٹیاں دے دو۔“

ہی سچ بولنا شروع کر دو گئے۔

ناگ نے کہا۔

”جناب! ہم اب بھی سچ بول رہے ہیں اور ہم آپ کے اٹھلا کے آگے بھی جا کر سچ بولیں گے۔ ہمیں کسی نے بغداد میں جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا۔ ہم اس شہر کی سیر کرنے آئے تھے کہ تم لوگوں نے پکڑ لیا۔“

کمانڈر نے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی افراتفری کی حالت میں کوئی یہاں سیر کرنے کے لیے آئے؟“

ہر شخص کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ صرف جاسوس ہی ایسا خطرہ مول لے سکتا ہے، کیونکہ اسے جاسوسی کے لیے بہت بھاری انعام دیا جاتا ہے، کیا اب بھی تم انکار کرتے ہو؟۔

عزیز بولا۔

”ہاں ہم انکار کرتے ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ آپ لوگوں نے ہمیں خواہ مخواہ پکڑ کر قید میں ڈال دیا ہے۔“

کمانڈر نے کہا۔

”اور میں بھی ایک بات تمہیں آخری بار کہہ دینا چاہتا ہوں، اگر کل شام تک تم نے اپنے جرم کا اقبال نہ کیا تو تمہاری گردنیں اڑادی جائیں گی۔“

ناگ نے کہا۔

”اور میں بھی ایک بات تمہیں آخری بار کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے معافی ہونے تک ہمیں آزاد نہ کیا تو تمہاری لاش اس حوالات کی ڈیوڑھی میں پڑی ہوگی۔“

کمانڈر کو ایسی گستاخی کی بات آج تک کبھی کسی نے نہیں

کہی تھی۔

اسے ناگ کی بات پر سخت غصہ آ گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر بے زور سے ناگ کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ ناگ گر پڑا۔ ماریا غصے میں کانپنے لگی۔

ناگ کو غصے کی حالت میں نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ سے نیلا جھاگ پڑا اور وہ پلک جھپکنے میں ایک سبز رنگ کا ایک بہت بڑا اثر دہا بن کر سامنے آ گیا۔

جبشی غلام نے ایک انسان کو اثر دہا بننے دیکھا تو وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

کمانڈر خوف کے مارے سہم کر پرے ہٹ گیا۔ پھر اس نے تلوار نکال کر ناگ پر وار کرنا چاہا۔ پیچھے ماریا نے اسے زور

سے دھکا دے دیا۔

وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اثر دہا نے کمانڈر کی گرون پر ڈس دیا۔ یہ زہر اس قدر خوفناک اور قاتل قسم کا زہر تھا کہ کمانڈر کے جسم میں داخل ہوتے ہی اس کا خون ایک دم جم گیا اور سارا جسم پھٹ پڑا۔

ناگ اسی وقت پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔

عبر نے ہنس کر کہا۔

ناگ بھائی! یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا تھا؟“

ناگ بولا۔

”اس کم بخت نے میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا تھا

کہ میں غصے میں پاگل ہو گیا۔ میں اسے اب زندہ نہیں چھوڑ

سکتا تھا، چاہے میری اپنی جان چلی جاتی۔“

ماریا نے کہا۔

”چلو اچھا ہے کہ تم نے اپنا بدلہ بھی لے لیا اور ہم سب کا راستہ بھی صاف کر دیا۔“

ناگ نے کہا۔

”تمہارا بھی شکریہ ماریا بہن، اگر تم اس موذی کو پیچھے سے دھکا نہ دیتیں تو ہو سکتا تھا کہ اس کی تلوار کا وار مجھے سخت زخمی کر دیتا۔ یہ بتاؤ تم کہاں رہیں؟“

عنبر نے کہا۔

”یہ وقت کہانیاں سننے کا نہیں ہے ناگ! ماریا سے اس کی کہانی پھر سن لیں گے۔ ابھی تو یہاں سے بھاگو۔ ہمیں اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔“

تینوں بہن بھائی حوالات سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتے

اوپر ڈیوڑھی میں آ گئے۔

وہاں سپاہی دروازہ بند کیے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر نے اندر سے دروازے پر دستک دی یاہر سے پھرے دار سپاہی نے یہ سمجھا کہ ان کا کمانڈر واپس آ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

عنبر ناگ اور ماریا باہر نکلے تو سپاہی نے ان پر حملہ کر دیا۔ ماریا نے تلوار چھین کر سپاہی کے سینے میں گھونپ دی۔ وہ چیخ مار کر گر گیا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر سامنے سے سپاہی دوڑے۔ عنبر اور ناگ وہاں سے بھاگ اٹھے۔ ماریا نے دور سے آتے ہی سپاہیوں کی خوب گت بنائی۔ اس کے بعد ماریا بھی عنبر اور ناگ کے ساتھ آن ملی۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ بغداد شہر کے گلی کوچوں اور مکانوں میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ بچتے بچاتے اندھیرے میں چھپتے چھپاتے شہر کی دوسری جانب نکل آئے۔

یہاں زیادہ تر غریب ماہی گیروں کی آبادی تھی۔ ایک پرانی خانقاہ بھی تھی جس کے اونچے گنبد پر شمع جل رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں اس خانقاہ میں رات بسر کرنی چاہیے کیونکہ اس وقت سرائے میں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ چلو خانقاہ

میں چلتے ہیں۔“

ماریا کہنے لگی۔

پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس خانقاہ میں کون رہتا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں چنگیزی سپاہیوں نے قبضہ کر رکھا ہو۔“

عنبر نے کہا۔

”یہ کام تو پھر تم ہی کر سکتی ہو۔ جاؤ اندر جا کر پتا کرو کہ خانقاہ خالی ہے یا کوئی اس میں رہتا ہے۔“

ماریا بولی۔

”میں جا کر پتا کرتی ہوں۔“

ماریا نے دیکھا کہ خانقاہ کے اندر ڈیوڑھی میں ایک ننھا سا

دیا جل رہا تھا۔ ماریا ڈیوڑھی میں سے گزر کر بڑے کمرے

میں آ گئی۔

یہاں دیواریں پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک قبر تھی جس پر عربی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک طرف دیوار میں دروازہ تھا جو بند تھا۔ ماریا کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس خانقاہ کا دروازہ کیوں کھلا تھا؟ اگر دروازہ کھلا تھا تو اس کے اندر رہنے والے کہاں چلے گئے ہیں؟ ماریا نے درو دیوار والے دروازے کے پاس جا کر اسے ذرا سا دھکیلا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ اندر کوئی باتیں تو نہیں کر رہا؟ اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ماریا خانقاہ سے باہر آ گئی۔ باہر اس نے عنبر اور ناگ کو

بتایا کہ خانقاہ ویران ہے۔ کسی نے وہاں چراغ جلا دیا ہے۔ بس اب وہاں کوئی تمہیں رہتا۔ اندر صرف ایک قبر ہے۔ ”ٹھیک ہے۔ ہمیں بھی تو صرف رات ہی بسر کرنی ہے۔ رات کی رات یہاں رہ کر منہ اندھیرے کسی سرائے میں اٹھ جائیں گے۔“

ماریا نے کہا۔

”تو پھر اندر چلیں۔“

تینوں خانقاہ کے اندر آ گئے اور قبر کے پاس بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

زمین پر خشک گھاس بچھی ہوئی تھی۔ ناگ نے کہا۔

”میرا تو خیال ہے کہ اسی جگہ پر کرسورہ تھے ہیں۔“

عنبر مسکرا کر بولا

”تو اور کون سے یہاں کم خواب کے ریشمی بستر لگے ہیں
ہمارے لیے بھائی؟ اسی خشک گھاس پر سونا ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”خدا کی قسم! اس خشک گھاس پر جتنے مزے کی نیند آتی
ہے، اتنی کسی بادشاہ کو کم خواب کے بستر پر کہاں آتی ہوگی۔“

ماریا نے پوچھا۔

”عنبر بھائی! اب ہمیں آگے کیا کرنا ہے؟“

عنبر بولا۔

”ہمیں اس شہر کے خلیفہ اور اس کے بچوں کو وحشی چنگیزی
سپاہیوں سے بچا کر نکال لے جانا ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”ہم انہیں نکال کر کہاں لے جائیں گے بھائی؟“

عنبر بولا۔

”یہ خلیفہ ہمیں خود بتا دے گا کہ وہ کہاں جا کر پناہ حاصل
کر سکتا ہے۔ پہلے اسے یہاں سے بھگانا ہوگا۔“

ماریا نے کہا۔

”خدا کرے کہ صحرا میں دجلہ کے کنارے ہمارے
خزانے کا صندوق بچا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈاکو اس کا بھی صقایا
کر دیں۔ ہمارا جہاز بھی تو ابھی دریا میں کھڑا ہے۔“

عنبر بولا۔

ماریا مہن! خزانہ ہم نے دریا کنارے ایسے پرانے
مقبرے کے کھنڈر میں دفن کیا ہے۔ کہ وہاں وہ ہزار سال تک
دبا پڑا رہ سکتا ہے۔

باقی بادبانی جہاز دریا کی کھاڑی میں نظروں سے چھپ کر

لمبی لمبی دلدلی گھاس میں کھڑا ہے۔ ہاں اگر کسی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ تو وہ اسے اغوا کر کے لے جاسکتا ہے۔ مگر فکر نہ کرو۔ خزانہ ہمارا بالکل محفوظ رہے گا۔

وہ باقیں کرتے کرتے سونے لگے۔ عنبر اور ناگ نے تو ہلکے ہلکے خراٹے بھی لینے شروع کر دیے۔

صرف ماریا جاگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے بھی نیند آنے لگی۔ اس نے اونگھنا شروع کر دیا۔ وہ اونگھ رہی تھی کہ اچانک اسے خانقاہ کے دروازے کے زور سے بند ہونے کی آواز سنائی دی پھر لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز سنائیں دیں۔

کچھ لوگ اندر آ رہے تھے۔ ماریا نے جلدی سے عنبر اور ناگ کو جگا دیا۔

”جاگو بھائی! کچھ لوگ اندر آ رہے ہیں۔“

عنبر اور ناگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ جلدی سے ستونوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔

ڈیوڑھی والا دروازہ کھلا اور چار عرب اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے عربی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک ان میں سے کچی عمر کا تھا جس کو وہ سارے درویش کے نام سے یاد کر رہے تھے۔ باقی تینوں نوجوان سے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیوار والے دروازے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے دروازے پر تین بار دستک ہوئی۔ اندر سے دروازہ کھل گیا۔

چاروں عرب اندر چلے گئے۔ دروازہ اپنے آپ پھر بند ہو گیا۔ عنبر اور ناگ نے دروازے سے کان لگا دیئے۔ اندر وہ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے جیسے وہ بغداد کے خلیفہ کے اپنے

آدمی ہوں۔ اور اسے بچانے کی فکر میں ہوں۔

عزبر نے کہا۔

”یہ لوگ ہمارے ساتھی ہیں۔ یہ خلیفہ کے اپنے خاص

آدمی ہیں جو اسے اٹھلا کی ظالمانہ قید سے رہائی دلانا چاہتے

ہیں۔“

ناگ بولا۔

”معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان کے چہروں سے شاہی

رعب نکلتا ہے۔ تو کیا پھر ان لوگوں سے بات کی جائے۔“

عزبر بولا۔

”نہیں ہمیں اتنی تیزی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ذرا کچھ

سوچ سمجھ سے بھی کام لینا ہوگا۔“

ماریا نے کہا۔

”میرا خیال ہے، اب دروازہ کھلے تو میں اندر جا کر معلوم

کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ہو سکتا ہے، دروازہ ساری رات نہ کھلے۔“

”تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔“

”میرا خیال ہے، تم دروازے پر دستک دو۔ وہ باہر

آئیں گے تو تم جلدی سے اندر داخل ہو جانا۔“

”یہ ٹھیک ہے۔“

عزبر اور ناگ ستونوں کے پیچھے چھپ گئے۔ ماریا دیوار

و لے دروازے پر گئی۔

اس نے جاتے ہی دروازے پر تین بار دستک دی۔ اندر

سے دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک عرب نوجوان نے آنکھیں

پھاڑ کر باہر دیکھا۔

”کون ہے باہر؟“

باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دروازے کے بالکل درمیان میں کھڑا تھا۔ اور ماریا کو موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ اندر چلی جاتی۔

اب اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ ماریا واپس عذر اور ناگ کے پاس آ گئی۔ وہ سوچنے لگے کہ اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

کون سی ترکیب کی جائے کہ اندروالے عرب لوگوں سے بات چیت ہو سکے؟ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک عرب نوجوان باہر آ گیا۔

اس کے باہر آتے ہی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔ عرب

نوجوان نے ایک ستون کے قریب جا کر پتھر ہٹایا اور ایک صندوقتی سی لے کر واپس کوٹھڑی میں چلا گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ مگر اس دوران میں ماریا اندر کوٹھڑی میں جا چکی تھی۔

☆ یہ عرب نو جوان کون تھے؟
 ☆ خانقاہ میں کون سا راز چھپا تھا؟
 ☆ بغداد میں اٹھلا کے ساتھ مقابلہ کیسے ہوا؟
 ☆ یہ سب کچھ آپ کو اس ناول کی اگلی جہنی
 46 ویں قسط پڑھ کر معلوم ہوگا۔